ہر کام میں اللہ سے مدد لو

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

أَلْمُؤْمِنُ الْقَوِيُّ خَيْرٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِ الضَّعِيْفِ وَفِيْ كُلٍّ خَيْرٌ، احْرِصْ عَلٰى مَا يَنْفَعُكَ وَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ وَلَا تَعْجَزْ وَإِنْ أَصَابَكَ شَيْءٌ فَلَا تَقُلْ لَوْ أَنِّيْ فَعَلْتُ كَانَ كَذَا وَكَذَا وَلٰكِنْ قُلْ: قَدَرَ اللّٰهَ وَمَا شَآءَ اللّٰهُ فَعَلَ فَإِنَّ لَوْ تَفْتَحُ عَمَلَ الشَّيْطٰنِ.

[احمد: ۲/ ۳۶۶۔ مسلم: ۳۴/ ۲۶۶]

’’طاقت ور مومن کمزور مومن سے بہتر ہے مگر بھلائی سب میں موجود ہے جو کام تمہارے لیے فائدہ مند ہو اسے انجام دینے کا شوق رکھو، اللہ سے مدد چاہو اور عاجزی کا اظہار نہ کرو۔ اگر تمھیں کوئی مصیبت پہنچے تو یہ نہ کہو کہ اگر میں اس اس طرح کرتا تو ایسے اور ایسے ہو جاتا بلکہ کہو اللہ تعالیٰ کی تقدیر ہے اور اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ کیوں کہ لفظ ’’لَـــــوْ‘‘ (اگر) شیطانی عمل کا دروازہ کھول دیتا ہے۔‘‘

ایمان اور کبائر

(۴۹)...... عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ۔ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: لَا یَزْنِی الزَّانِیْ حِیْنَ یَزْنِیْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ ۔ وَلَا یَشْرَبُ الْخَمْرَ حِیْنَ یَشْرَبُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ ۔ وَلَا یَسْرِقُ حِیْنَ یَسْرِقُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ ۔ وَلَا یَنْتَهِبُ نُهْبَةً یَرْفَعُ النَّاسُ اِلَیْهِ فِیْهَا أَبْصَارَهُمْ حِیْنَ یَنْتَهِبُهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ ۔ وَلَا یَغُلُّ أَحَدُکُمْ حِیْنَ یَغُلُّ وَهُوَ مُؤْمِنٌ ۔ فَإِیَّاکُمْ وَإِیَّاکُمْ ۔

[البخاری: ۶۸۱۰ فی الحدود۔ مسلم: ۵۷/۱۰۰ و ۵۷/۱۰۳ فی الایمان]

(۵۰)...... وَفِیْ روایة عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَّلَا یَقْتُلُ حِیْنَ یَقْتُلُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ ۔ قَالَ عِکْرَمَةُ قُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ کَیْفَ یُنْزَعُ الْإِیْمَانُ مِنْهُ قَالَ هٰکَذَا وَشَبَّكَ بَیْنَ أَصَابِعِهٖ ثُمَّ أَخْرَجَهَا فَإِنْ تَابَ عَادَ اِلَیْهِ هٰکَذَا وَشَبَّكَ بَیْنَ أَصَابِعِهٖ ۔ وَقَالَ أَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ لَا یَکُوْنُ هٰذَا مُؤْمِنًا تَآمًّا وَلَا یَکُوْنُ لَهٗ نُوْرُ الْاِیْمَانِ هٰذَا لَفْظُ الْبُخَارِیِّ۔ [البخاری: ۶۸۰۹۔ الحدود]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی زنا کرنے والا جب زنا کرتا ہے تو وہ مومن نہیں ہوتا اور شراب پینے والا جب بھی شراب پیتا ہے تو اس وقت وہ مومن نہیں ہوتا۔ اسی طرح جب چور چوری کرتا ہے تو وہ ایمان دار نہیں ہوتا اور کوئی لٹیرا بھی جب کسی کا مال اس طرح لوٹتا ہے کہ لوگ لوٹتے وقت اس کی طرف اپنی آنکھیں اٹھا اٹھا کر دیکھ رہے ہوں تو وہ مومن نہیں ہوتا اور نہ ہی کوئی شخص ایمان دار ہوتے ہوئے کسی کی خیانت کرتا ہے۔ اسی طرح کوئی بھی تم میں سے ایمان دار ہوتے ہوئے خائن نہیں ہوتا تو تم بچ کر رہو اپنے آپ کو بچا کر رکھو۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے کہ قتل کرنے والا جب قتل کرتا ہے تو وہ مومن نہیں ہوتا۔ عکرمہ کہتے ہیں میں نے ابن عباس سے پوچھا کہ ایمان اس سے کس طرح چھین لیا جاتا ہے؟ انھوں نے جواب دیا، کہ اس طرح، پھر انھوں نے اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو ایک دوسری میں داخل کیا پھر نکال لیا اور فرمایا پھر اگر وہ توبہ کرے تو ایمان اس کی طرف لوٹ کر آ جاتا ہے پھر دوبارہ اسی طرح ایک ہاتھ کی انگلیوں کو دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں داخل کیا۔

امام بخاری کہتے ہیں یعنی یہ شخص پورا مومن نہیں ہوتا اور اس کے لیے ایمان کا نور نہیں ہوتا یہ لفظ بخاری کے ہیں۔

اس حدیث سے بظاہر یہ ثابت ہوتا ہے کہ کبیرہ گناہ کا مرتکب مومن نہیں۔ مگر علماء نے اس کی یہ تفسیر کی ہے کہ اس سے ایمان کے کمال میں کمی آ جاتی ہے یا اس سے مراد زجر وتوبیخ ہے، یا اس سے مقصود ہے کہ ایسے شخص کو برے انجام سے بے خوف نہیں ہونا چاہیے۔ کیوں کہ اس سے امکان ہے کہ وہ شخص آہستہ آہستہ کفر میں داخل ہو جائے۔ یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ وقتی طور پر سچ مچ اس سے ایمان جدا ہو کر اس کے اوپر سایہ کی طرح رہتا ہے جب وہ اس برے کام سے باہر آتا ہے تو وہ دوبارہ اس میں داخل ہو جاتا ہے۔

نیز جب ایک شعبہ ایمان کا کم ہو جائے تو کمال ایمان کی نفی ہو جائے گی۔ کیوں کہ جزء کے نفی ہونے سے اس کے کمال کی بھی ہو جاتی ہے۔ جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: لا ایمان لمن لا امانة له ولا دین لمن عهد له یعنی ”جس میں امانت نہیں اس میں ایمان نہیں اور جس کے دل میں عہد کا پاس نہیں اس کا دین نہیں۔“

فہرست

توبہ اور عمل صالح نجات کا سبب ہیں

﴿ وَاِنِّیْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰی ﴾ [طٰہٰ:۲۰/۸۲]

''اور میں اس شخص کو بالکل معاف کر دیتا ہوں جو توبہ کرے، ایمان دار ہوجائے، اچھے اعمال اپنائے پھر وہ ہدایت یافتہ ہوجائے۔''

اعمال ہی معیار خیر اور شر ہیں

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ کسی شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اچھا آدمی کون سا ہے؟ آپ نے فرمایا:

مَنْ طَالَ عُمُرُهٗ وَحَسُنَ عَمَلُهٗ ۔

''جس کو لمبی عمر اور نیک اعمال کی توفیق نصیب ہو۔''

اس نے پھر پوچھا اور برا آدمی کون سا ہے؟ آپ نے فرمایا:

مَنْ طَالَ عُمُرُهٗ وَ سَاءَ عَمَلُهٗ ۔

''جس کو عمر تو لمبی ملے مگر اس کو نیک عمل کی توفیق نصیب نہ ہو۔'' [ترمذی: ۲۳۳۰ فی الزھد وقال حسن صحیح]

کتے اور گدھے کی آواز سن کر کیا کہے؟

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِذَا سَمِعْتُمْ نُبَاحَ الْكِلَابِ وَنَهِيْقَ الْحَمِيْرِ بِاللَّيْلِ فَتَعَوَّذُوْا بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ فَاِنَّهُنَّ يَرَيْنَ مَالَا تَرَوْنَ. [ابوداود:۵۱۰۲]

''جب تم کتوں کے بھونکنے اور گدھوں کے رینکنے کی آوازرات کو سنو تو شیطان سے اللہ تعالیٰ کی پناہ حاصل کرو (یعنی اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ پڑھو) کیوں کہ انھیں وہ کچھ نظر آتا ہے جو تمھیں نظر نہیں آتا۔''

قوم کی مسیحائی

اداریہ —— حافظ عبدالوحید

سابقہ امتوں میں سے بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ نے سب سے زیادہ فضیلت بخشی، اُنھیں فرعون سے نجات دلائی جب کہ فرعون کو عبرت ناک موت سے دوچار کیا۔ بنی اسرائیل میں انبیاء بھیجے، اُن میں بادشاہ بنائے، اُن کے قبلے ''بیت المقدس'' کو قبلۂ عالم بنایا اور اُنھیں مسلسل اپنے انعامات سے نوازے رکھا۔ قرآنِ مجید نے یہ سب باتیں تفصیل سے بیان کی ہیں، نیز یہ بھی بتایا ہے کہ اگر وہ اللہ تعالیٰ سے کیے گئے وعدے اور کتاب اللہ کے حوالے سے اپنی ذمہ داریاں پوری کرتے رہتے تو اللہ تعالیٰ خلافت وسلطنت ارضی کے حوالے سے ان پر اپنے وعدے پورے فرماتا، اور انھیں دنیا کی پیشوائی سے شادکام کیے رکھتا۔ ﴿يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَ اَوْفُوْا بِعَهْدِيْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ ۚ وَ اِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ﴾[البقرۃ:۲/۴۰]

مگر بنی اسرائیل چوں کہ اللہ تعالیٰ سے کیے گئے وعدوں سے منحرف ہوگئے تھے، انھوں نے اللہ کی نعمتوں کو فراموش کردیا اور کتاب اللہ کو پس پشت پھینک دیا تھا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اُن سے اُن کے تمام اعزازات واپس لے لیے، اُن کا قبلہ جو دنیا میں اُن کی امامت وسیادت کی علامت تھا تبدیل کردیا اور اُنھیں اقوامِ عالم کی قیادت سے معزول کردیا، بیت اللہ شریف یعنی خانہ کعبہ کو قیامت تک کے لیے قبلہ بنادیا اور ﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ﴾ فرما کر آئندہ اقوامِ عالم کی سیادت کی ذمہ داری امت مسلمہ پر ڈال دی۔ اور یہ بنی اسرائیل کی معزولی کوئی انہونی یا اچنبھے کی بات نہیں تھی بلکہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے تو اس سلسلے میں اپنا اصول اور ضابطہ بیان فرمادیا ہے کہ ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ﴾ یعنی ''اللہ کسی قوم پر کیے ہوئے احسانات اور اُن کی نعمتوں والی حالت کو اُس وقت تک نہیں تبدیل کرتا جب تک وہ خود اپنے (اعمال) میں تبدیلی پیدا نہیں کرلیتے۔''[الانفال:۸/۵۳]

پس جو لوگ اللہ سے کیے ہوئے وعدوں پر قائم رہتے ہیں، اس کے لیے جان ومال اور آبرو تک کی پروا نہیں کرتے، اللہ کی نعمتوں کو بھلا دینے کی بجائے زندگی بھر اُن کے شکرانے میں لگے رہتے ہیں، دین اللہ کے حوالے سے اپنی ذمہ داریاں ادا کرتے چلے جاتے ہیں وہ مسلسل اور مزید انعاماتِ الٰہیہ سے فیض یاب ہوتے رہتے ہیں۔ اور جو قوم اس کے برعکس صورتِ حال اختیار کرلیتی ہے اُسے اللہ کی نعمتوں سے محروم کردیا جاتا ہے۔

....

اگر ''چھوٹا منہ، بڑی بات'' کہہ کر ٹال نہ دیا جائے تو یہ عرض کرنے کو جی چاہتا ہے کہ اس وقت ہماری صورتِ حال بھی بنی اسرائیل سے کچھ زیادہ مختلف نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں انگریز اور ہندو بنیے کی غلامی سے نجات اور آزادی نصیب فرمائی، اور یہ آزادی بھی یوں بیٹھے بٹھائے نہیں ملی تھی بلکہ اس کے لیے کم از کم ایک صدی پر محیط مسلسل اور متنوع قسم کی جدوجہد ہوئی اور بالآخر اس کی خاطر املاک، جانوں، مالوں اور عزت وناموس کے لاکھوں نذرانے پیش کیے گئے تھے۔ مگر اب وہ قربانیاں فراموش کی جاچکی ہیں، اُن لاشوں پر آزادی کے نام سے رقص ہوتا ہے، اور اُس آزادی کو ہم نے مادر پدر آزادی میں تبدیل کرلیا ہے، ہم دین وایمان اور اخلاق وحیا ہی سے آزادی اور چھٹکارے کی طرف بڑھ رہے ہیں۔

ہمارے اُن سچے جذبوں اور اخلاص بھری قربانیوں نے ایک دنیا کے دل جیت لیے تھے، اور لوگ انگشت بدنداں تھے کہ کیا اپنے جذبوں کے پیچھے یوں بھی قربان ہوا جاسکتا ہے؟ اور کیا حصولِ مقصد کے لیے کوئی یوں بھی فدا ہوسکتا ہے؟ لوگوں کے دل ہمارے ساتھ دھڑکنے لگے تھے۔ مگر اِس وقت ہم نصف النہار کی تپش میں اکیلے ہی کھڑے جھلس رہے ہیں، نہ اوپر کوئی سائبان ہے اور نہ ہماری حالت پر کسی کو رحم ہی آتا ہے۔ اور رحم آئے بھی

تو کیوں؟ ہمیں خود جو اپنے آپ پر رحم نہیں آتا!

آزادی اور اس خطے کے حصول کے لیے مسلمانوں سے یہ وعدہ کیا اور ان کو نعرہ دیا گیا تھا کہ یہاں لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے پھریرے لہرائیں گے، جس کا مافی الضمیر یہ تھا کہ توحید و رسالت اور قرآن و سنت ہی کا راج ہوگا، ہر فیصلہ اور اِقدام کرنے سے پہلے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ سے رہنمائی لی جائے گی، تمام شعبہ ہائے زندگی کو انھی کے قالب میں ڈھالا جائے گا۔ مگر اس وعدے کی طرف ہم نے من حیث المجموع کبھی مڑ کر نہیں دیکھا، روشن خیال حکومت سے پہلے تو کبھی اس کا ذکر ہو ہی جاتا تھا لیکن روشن خیالی نے ہماری آنکھیں اس قدر چندھیا دی ہیں کہ ہمیں یاد ہی نہیں کہ ہم نے اس طرح کا کوئی وعدہ اور عزم کیا بھی تھا یا نہیں؟ بلکہ اگر اس قسم کی کوئی بات ہماری سماعت سے ٹکرا بھی جائے تو ہم حیران ہو جاتے ہیں، اور ظاہری منظر یہی تاثر دیتا ہے کہ شاید اس سے زیادہ نا قابل اعتناء کوئی اور چیز ہے ہی نہیں۔ (وإلی اللّٰہ المشتکی وھو المستعان)

رہ گیا معاملہ کتاب اللہ کا، تو اس سے ہماری اکثریت کا تعلق......جن کا ہے......زبانی قراءت، حصولِ برکت، مُردوں کے لیے ایصالِ ثواب، اور دم تعویذ کی حد تک ہے۔ اسے کتابِ ہدایت سمجھ کر اس سے ہدایت و رہنمائی لینے والے بہت کم ہیں۔ اسے فرقان و میزان اور برہان و امام سمجھ کر اس کے مطابق معاملات کی گتھیاں سلجھانے والا کوئی نہیں، اس میزانِ عدل میں اپنے آپ کو تولنے والا کوئی نظر نہیں آتا، زندگی کی شاہراہ پر اسے امام و قائد ماننے والے کم نظر آتے ہیں۔ ظاہر ہے اس صورتِ حال کا نتیجہ بھی تو وہی ہوگا جو بنی اسرائیل میں ہوا تھا۔ ہماری توقعات اور محض امیدیں بہت بلند ہیں مگر ہمارے اعمال اُن سے ہم آہنگ نہیں ہیں، گویا ع ہاتھ پہ ہاتھ دھرے منتظرِ فردا ہو

والا معاملہ ہے۔ اسی لیے ہمارا امن خوف میں بدل چکا ہے، صنعت و زراعت کی بہتات کے باوجود غربت و بے روزگاری معاشرے کو گھن کی طرح کھائے جا رہی ہے، ستر (۷۰) فی صد تک اپنے وسائل دفاع میں خرچ کرنے اور ایٹمی صلاحیت حاصل ہو جانے کے باوجود بھی حامد کرزئی جیسے کٹھ پتلی ہمیں غرا رہے ہیں، دنیا کا مثالی نہری نظام اور دریاؤں کی معتد بہ تعداد رکھنے کے باوجود پانی کی قلت کا شکار ہیں اور پورا ملک لوڈ شیڈنگ کے اندھیرے میں ڈوبا ہوا ہے، قدرتی وسائل سے مالا مال ہونے اور مثالی افرادی قوت و صلاحیت رکھنے کے باوجود ہمارے ملک کا ہر بچہ ہزاروں ڈالر قرض کا بوجھ لے کر پیدا ہوتا ہے۔ اصحابِ اختیارات باہم دست و گریباں ہیں، عوامی خدمت کے ادارے اور محکمے معطل ہو کر رہ گئے ہیں۔ اور دراصل یہ سزا ہے ربّ سے بے اعتنائی کی اور محبوبِ خدا (ﷺ) سے بے وفائی کی۔

....

انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد بنی اسرائیل کو شریعت الٰہیہ کا پابند رکھنے اور ان میں کتاب اللہ کو نافذ و قائم رکھنے کی ذمہ داری اُن کے علماء کو سونپی گئی تھی ﴿يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ هَادُوْا وَ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَ الْاَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ وَ كَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ [المائدة: ٥/ ٤٤]﴾ مگر مطالعۂ قرآن سے پتا چلتا ہے کہ انھوں نے کتاب اللہ اور دین الٰہی کو شکم پروری کا ذریعہ بنا لیا۔ بلکہ اس سے ایک قدم آگے بڑھ کر دین سازی، قانون سازی اور حلت و حرمت کا قلم بھی اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا۔

رسولِ اکرم ﷺ کی رحلت کے بعد اس امت کی اصلاح و فلاح اور اس کی توجیہ و ارشاد کی ذمہ داری بھی علماء ہی کو سونپی گئی ہے، ارشادِ نبوی ہے: ((اَلْعُلَمَآءُ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَاءُ)) مگر یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ اس وقت اہل علم اپنے کردار سے غافل ہو چکے ہیں۔ اَوروں سے قنوطیت اور مایوسی کے وقت ہی تو انھوں نے عوام کی ڈھارس بندھائی تھی، گرتوں کو سہارا دینا تھا، امیدوں کے چراغ روشن رکھنے تھے، بوجھل دلوں کے غم غلط کرنے تھے اور گم کردہ راہ مسافروں کو منزل کا پتا دینا تھا۔ مگر جب میر کارواں ہی منزل سے نا آشنا ہو جائے اور اپنا رستہ گم کر بیٹھے تو قوم کی قسمت اور انجام کا اندازہ لگانا قطعاً مشکل نہیں رہتا۔

ظاہری طور پر اس خوف ناک اور مایوس کن حالات کے باوجود بھی ہمیں قوم کے حقیقی رہنماؤں یعنی اہل علم سے یہی توقع ہے اور اسی توقع کی بنیاد پر اُن سے یہی درخواست کرتے ہیں کہ اپنے فقہی دائروں، مسلکی اداروں اور جماعتی مصلحتوں اور اپنی مسندوں سے بے نیاز اور بالا ہو کر اس قوم کی مشکلات اور مسائل کو بھانپیں اور غموں سے چور اس قوم کی مسیحائی کا فریضہ سرانجام دیں تاکہ وہ خود بھی سرخرو ہوں اور پوری قوم سرخرو ہو۔

انمول جواھرات

شیخ عمر فاروق

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر تمھیں چار چیزیں میسر ہوں تو دنیا کی کسی چیز سے بھی محرومی تمہارے لیے گھاٹے کی بات نہیں:

① ......[حِفْظُ اَمَانَةٍ]امانت کی حفاظت، ② ......[صِدْقُ حَدِیْثٍ] سچی بات کہنا، ③ ......[حُسْنُ خَلِیْقَةٍ] خوش اخلاقی، ④ ......[عِفَّةٌ فِیْ طُعْمَةٍ] حلال روزی۔

گزشتہ درس میں پہلے جوہر یعنی امانت کی حفاظت پر بات ہوچکی ہے، آج اِس حدیث مبارک کے دوسرے جوہر پر بات ہوتی ہے۔

صِدْقُ حَدِیْثٍ:

امام راغب اصفہانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"الصدق" کے معنی ہیں دل اور زبان کی ہم آہنگی اور بات کا نفس واقعہ کے مطابق ہونا۔ اگر اِن دونوں میں سے کوئی ایک شرط نہ پائی جائے تو کامل صدق باقی نہیں رہتا، ایسی صورت میں یا تو وہ کلام صدق کے ساتھ متصف ہی نہ ہوگا یا پھر وہ دو مختلف حیثیتوں سے کبھی صدق اور کبھی کذب کے ساتھ پہنچانا جائے گا۔ (اور اللہ تعالیٰ کے ہاں ایسی بات مقبول نہیں ہے جس میں دل اور زبان کی صداقت یکساں نہ ہو) مثلاً ایک کافر جب اپنے ضمیر کے خلاف "مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ" کہتا ہے تو اُسے نفس واقعہ کے مطابق صدق (سچ) بھی کہہ سکتے ہیں اور اُس کے دل اور زبان کے ہم آہنگ نہ ہونے کی وجہ سے کذب (جھوٹ) بھی کہہ سکتے ہیں۔ اِس لیے اللہ تعالیٰ نے منافقین کے اس قول کو کہ جب انھوں نے زبان سے کہا﴿ نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ﴾ ''ہم اقرار کرتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں'' جھوٹا قرار دیا ہے۔ کیوں کہ وہ اپنے ضمیر کے خلاف یہ بات کہہ رہے تھے۔

﴿ وَ اللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ﴾

[المنفقون:۱/۶۳]

''اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ منافق قطعی جھوٹے ہیں۔''

''الصدیق'' بہت سچ بولنے والا، بعض کے نزدیک الصدیق وہ شخص ہے ''جس نے کبھی جھوٹ نہ بولا ہو'' اور بعض نے کہا ہے ''صدیق وہ ہے جو سچ کا اِس قدر خوگر ہو کہ اُس سے جھوٹ بن ہی نہ آتا ہو۔'' اور بعض نے صدیق کی اس طرح تعریف کی ہے ''جو قول واعتقاد میں سچا ہو اور پھر اپنی سچائی کی تصدیق اپنے عمل سے بھی کر دکھائے'' جیسا کہ قرآنِ حکیم میں آتا ہے:

﴿ وَ اذْكُرْ فِی الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ ۬ؕ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ﴾ [مریم:۱۹/۴۱]

''اور اِس کتاب میں (سیدنا) ابراہیم علیہ السلام کا قصہ بیان کیجیے بے شک وہ راست باز پیغمبر تھے۔'' [مفردات القرآن]

صدق اور ایمان:

ربّ کریم کا اہل ایمان کو حکم ہوتا ہے کہ وہ صادقین (سچوں) کے ساتھ ہوجائیں اور اس بات کا انعام یہ ملے گا کہ اُن کی رفاقت انبیائے کرام، صدیقین، شہداء اور صالحین کے ساتھ ہوجائے گی اور یہ اتنا بڑا انعام ہے کہ دنیا کے سارے خزانے اس کے سامنے ہیچ ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ﴾ [التوبہ:۹/۱۱۹]

''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور سچے لوگوں کا

ساتھ دو۔“

اس کا صلہ اور انعام اس طرح بیان ہوا:

﴿ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَ الصِّدِّيْقِيْنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَ الصّٰلِحِيْنَ ۚ وَ حَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ﴾ [النساء: ٤/ ٦٩]

”جو لوگ اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت کریں گے، وہ اُن لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین۔ کیسے اچھے ہیں یہ رفیق جو کسی کو میسر آئیں۔“

حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ اس آیہ مبارکہ کے تحت لکھتے ہیں:

”اللہ و رسول کی اطاعت کا صلہ بتایا جا رہا ہے اس لیے حدیث میں آتا ہے:

”اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ۔“ [بخاری، رقم الحدیث: ١٦٤٠ بحواله احسن البيان]

”آدمی انہی کے ساتھ ہوگا جن سے اس کی محبت ہوگی۔“

سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو جتنی خوشی اس فرمانِ رسول کو سن کر ہوئی اتنی خوشی کبھی نہیں ہوئی۔ کیوں کہ وہ جنت میں بھی رسول اللہ ﷺ کی رفاقت پسند کرتے تھے۔ اِس کی شانِ نزول کی روایات میں بتایا گیا ہے کہ بعض صحابہ نے نبی ﷺ سے یہ عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو جنت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے گا اور ہمیں اِس سے فروتر مقام ہی ملے گا اور یوں ہم آپ ﷺ کی اس صحبت و رفاقت اور دیدار سے محروم رہیں گے جو ہمیں دنیا میں حاصل ہے۔ چناں چہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اُتار کر اُن کی تسلی کا سامان فرمایا۔

[ابن کثیر بحوالہ احسن البیان]

بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے بطورِ خاص نبی ﷺ سے جنت میں رفاقت کی درخواست کی ”اَسْأَلُكَ مُرَافَقَتَكَ فِي الْجَنَّةِ“ جس پر نبی ﷺ نے انھیں کثرت سے نفلی نماز پڑھنے کی تاکید کی:

”فَاَعِنِّيْ عَلٰى نَفْسِكَ بِكَثْرَةِ السُّجُوْدِ۔“ [مسلم، رقم الحديث: ٤٨٨ بحواله احسن البيان]

”پس تم کثرتِ سجود کے ساتھ میری مدد کرو۔“

علاوہ ازیں ایک اور حدیث میں:

”اَلتَّاجِرُ الصَّدُوْقُ الْاَمِيْنُ مَعَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ۔“ [ترمذی، كتاب البيوع بحواله احسن البيان]

یعنی ”راست باز، امانت دار تاجر کی رفاقت انبیاء، صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہوگی۔“

(یہ بات بھی ذہن میں رہے) کہ صدیقیت، کمال ایمان اور کمال اطاعت کا نام ہے۔ نبوت کے بعد اس کا مقام ہے۔ امت محمدیہ میں اِس مقام میں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سب سے ممتاز ہیں اور اسی لیے بالاتفاق غیر انبیاء میں وہ نبی ﷺ کے بعد افضل ہیں۔ صالح وہ ہے جو اللہ کے حقوق اور بندوں کے حقوق کامل طور پر ادا کرے اور اُن میں کوتاہی نہ کرے۔ [احسن البیان]

حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ٹھیک طور پر ادائیگی ہی بندے کو صدق کے مقام پر پہنچاتی ہے:

مندرجہ ذیل آیہ مبارکہ پر غور کیجیے:

﴿ لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ وَ لٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ الْمَلٰٓئِكَةِ وَ الْكِتٰبِ وَ النَّبِيّٖنَ ۚ وَ اٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَ الْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَ السَّآئِلِيْنَ وَ فِي الرِّقَابِ ۚ وَ اَقَامَ الصَّلٰوةَ وَ اٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَ الْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَ الصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَ الضَّرَّآءِ وَ حِيْنَ الْبَاْسِ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ؕ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴾ [البقرة: ٢/ ١٧٧]

”نیکی یہ نہیں کہ تم اپنے چہرے (عبادت کے وقت) مشرق کی طرف کرلو، یا مغرب کی طرف۔ بلکہ نیکی یہ ہے کہ آدمی اللہ کو اور یوم آخر کو اور ملائکہ کو اور اللہ کی نازل کی ہوئی کتاب اور اُس

کے پیغمبروں کو دل سے مانے (عقائد کی مکمل اصلاح کرلے) اور اللہ کی محبت میں اپنا دل پسند مال رشتے داروں اور یتیموں پر، مسکینوں اور مسافروں پر، مدد کے لیے ہاتھ پھیلانے والوں پر اور غلاموں کی رہائی پر خرچ کرے۔ (گویا کہ حقوق العباد کی پوری طرح پاسبانی کرے) نماز قائم کرے اور زکوٰۃ دے اور نیک وہ لوگ ہیں کہ جب عہد کریں تو اُسے وفا کریں اور تنگی ومصیبت کے وقت میں اور حق و باطل کی جنگ میں صبر کریں۔ یہ ہیں راست باز لوگ اور یہی متقی ہیں۔''

گویا کہ صادقین (سچے لوگوں) میں جب تک مندرجہ بالا صفات نہ پیدا ہوں وہ مقامِ صدق پر فائز نہیں ہو سکتے۔

ایمان اور نفاق جدا جدا راستے ہیں:

ایمان اور نفاق کی راہیں قطعی طور پر الگ الگ ہیں۔ ایمان کی اساس صدق وصداقت پر ہے جب کہ نفاق کی بنیاد کذب و دروغ گوئی پر ہے اور آخرت میں دونوں کا انجام بھی مختلف ہے۔ راست گوئی کی جزا جنت ہے جب کہ دروغ گوئی کی سزا دوزخ ہے۔ سچ بولنے اور سچی بات کو قبول کرنے والوں کو کامیابی کا مژدہ اس طرح سنایا گیا ہے:

﴿ وَ الَّذِيْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَ صَدَّقَ بِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۝ لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الْمُحْسِنِيْنَ ﴾ [الزمر: ٣٩/٣٣، ٣٤]

''اور جو شخص سچائی لے کر آیا اور جنھوں نے اس کو سچ مانا وہی عذاب سے بچنے والے ہیں۔ انھیں اپنے رب کے ہاں وہ سب کچھ ملے گا، جس کی وہ خواہش کریں گے۔''

ظاہر ہے کہ سچائی کی دعوت پھیلانے والے انبیاء علیہم السلام ہیں اور اُس سچائی کو قبول کرنے والے متبعین ہیں۔ پھر خاتم النبیین محمد رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور قیامت تک اہل ایمان ہیں۔

جب کہ نفاق کی راہ اختیار کرنے اور جھوٹ بولنے کی سزا کا ذکر اس طرح ہوا ہے:

﴿ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ﴾

''یقین جانو کہ منافق جہنم کے سب سے نیچے طبقے میں جائیں گے۔'' [النساء: ٤/١٤٥]

اس بات کو نبی ﷺ نے اس طرح ارشاد فرمایا:

«اِنَّ الصِّدْقَ يَهْدِيْ اِلَى الْبِرِّ وَاِنَّ الْبِرَّ يَهْدِيْ اِلَى الْجَنَّةِ، وَاِنَّ الرَّجُلَ لَيَصْدُقُ حَتّٰى يُكْتَبَ عِنْدَ اللّٰهِ صِدِّيْقًا، وَاِنَّ الْكَذِبَ يَهْدِيْ اِلَى الْفُجُوْرِ وَاِنَّ الْفُجُوْرَ يَهْدِيْ اِلَى النَّارِ، وَاِنَّ الرَّجُلَ لَيَكْذِبُ حَتّٰى يُكْتَبَ عِنْدَ اللّٰهِ كَذَّابًا»

[متفق عليه، رقم الحديث: ٥٥ رياض الصالحين]

''صدق (سچ) نیکی کی طرف ہدایت کرتا ہے اور نیکی جنت کی طرف رہنمائی کرتی ہے اور کوئی شخص سچ بولنے کو زندگی کا حصہ بناتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُس کو اپنے پاس سچوں میں لکھتا ہے۔ اور جھوٹ گناہوں پر آمادہ کرتا ہے اور گناہ دوزخ کی طرف لے جاتے ہیں۔ اور جب کوئی شخص جھوٹ بولتا رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اُسے جھوٹوں میں لکھ لیتا ہے۔''

خوب صورت انجام:

سچ بولنے والوں کے لیے خوب صورت انجام پر ہر بندۂ مومن کو رشک آنا چاہیے، اور دل میں یہ طلب اور تڑپ پیدا ہونی چاہیے کہ ہمیں بھی ربّ کریم اِن بندوں میں شامل فرمادے:

﴿ قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴾

[المائدة: ٥/١١٩]

''(روزِ جزا وسزا) اللہ تعالیٰ فرمائے گا، یہ وہ دن ہے جس میں سچوں کو اُن کی سچائی نفع دیتی ہے، اُن کے لیے ایسے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں رواں دواں ہیں۔ یہاں وہ ہمیشہ رہیں گے اللہ اُن سے راضی ہو وہ اللہ سے، یہی بڑی کامیابی ہے۔''

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی دعا:

سیدنا ابراہیم علیہ السلام ربّ کریم کے حضور یہ دعا فرماتے ہیں:

﴿ وَاجْعَلْ لِّیْ لِسَانَ صِدْقٍ فِی الْاٰخِرِیْنَ ﴾ [الشعراء:٢٦/٨٤]

''(اے میرے محسن رب!) بعد کے آنے والوں میں مجھ کو سچی ناموری عطا فرما۔''

حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ لکھتے ہیں:

''یعنی جو لوگ میرے بعد قیامت تک آئیں گے، وہ میرا ذکر اچھے لفظوں میں کرتے رہیں گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ نیکیوں کی جزا اللہ تعالیٰ دنیا میں ذکر جمیل اور ثنائے حسن کی صورت میں بھی عطا فرماتا ہے۔'' [احسن البیان]

اور خاتم النبیین جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ارشاد ہوتا ہے:

﴿ وَ رَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ﴾ [الم نشرح:٩٤/٤]

''اور ہم نے آپ کا ذکر بلند کر دیا۔''

غور کیجیے کہ موذّن کی صدائے دلنواز میں جہاں اللہ تعالیٰ کی توحید و کبریائی کا اعلان ہوتا ہے وہاں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی بھی شہادت دی جاتی ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آپ کی حیاتِ طیبہ قرآنِ حکیم کی جیتی جاگتی تصویر ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کے بغیر کامیابی ناممکن ہے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعام:

اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو حق وصداقت پر قائم رہنے پر اس خوشخبری سے سرفراز کیا ہے:

﴿ وَ بَشِّرِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ ﴾ [یونس:١٠/٢]

''(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم!) آپ اہل ایمان کو خوشخبری دے دیجیے کہ اُن کے لیے اُن کے ربّ کے پاس سچی عزت اور ناموری ہے۔''

اہل تقویٰ کو اِسی طرح نوید دی گئی ہے:

﴿ اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنّٰتٍ وَّ نَهَرٍ o فِیْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِیْكٍ مُّقْتَدِرٍ ﴾ [القمر:٥٤/٥٤،٥٥]

''یقیناً اہل تقویٰ جنتوں اور نہروں کے درمیان (رہائش پذیر) ہوں گے سچی عزت کی جگہ، بڑے ذی اقتدار بادشاہ کے سایہ رحمت میں۔''

حقیقت یہ ہے کہ دائمی اور ابدی کامیابی کے لیے اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے سچی بات کہنے سے معاشرتی زندگی کے روگ ختم ہو جاتے ہیں۔ صاف ستھرا ماحول پیدا ہوتا ہے اور انسان کے اعمال درست ہو جاتے ہیں۔ قوموں کو عزت اور سربلندی حاصل ہوتی ہے اور یہی اسلام کی بلند ترین تعلیمات کی خوبی ہے جو اُسے دنیا کے تمام نظامہائے سے ممتاز کرتی ہے:

﴿ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ قُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا o یُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَ یَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَ مَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِیْمًا ﴾

[الاحزاب:٣٣/٧٠،٧١]

''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور ٹھیک بات کیا کرو، اللہ تمہارے اعمال درست کر دے گا اور تمہارے قصوروں سے درگزر فرمائے گا۔ جو شخص اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرے تو اُس نے بڑی کامیابی حاصل کی۔''

خلاصہ کلام:

یہ سارا نظام اُس ربّ کی جانب سے ہے جو حق وصداقت پر مبنی ہے اور اُس سے بڑھ کر صداقت کہاں مل سکتی ہے۔

﴿ وَ مَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِیْثًا ﴾ [النساء:٤/٨٧]

''اے ہمارے محسن آقا! ہماری زندگیوں کو صدق وصداقت سے آراستہ فرمائیے، آمین۔''



تسمیہ (بسم اللہ) کے مسائل واحکام

فضل اکبر کاشمیری، کراچی

ترے نام سے ابتدا کر رہا ہوں
مری انتہائے نگارش یہی ہے

تسمیہ کہتے ہیں نام رکھنے کو لیکن شریعت کی اصطلاح میں یہ اَلتَّلَفُّظُ بِسْمِ اللّٰہِ یعنی بسم اللہ پڑھنے سے عبارت ہے۔ بسم اللہ پڑھنے کی ضرورت قرآنِ پاک سے ماخوذ ہے۔ قرآنِ پاک میں اس کی بابت اوامر موجود ہیں، اللہ فرماتا ہے:

﴿ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ﴾ [العلق: ١]

''اپنے ربّ کا نام لے کر پڑھ۔''

اسی طرح دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ ﴾ [المزمل: ٨]

''اور اپنے ربّ کے نام کا ذکر کیا کر۔''

نیز ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ ﴾ [الدھر: ٢٥]

''اور اپنے ربّ کے نام کا ذکر کیا کر۔''

یہ عام اوقات میں پڑھنے کا حکم ہے خاص اوقات کا بیان آ گے آ رہا ہے۔

بسم اللہ کا طریقہ اور کیفیت:

اس میں نقل کا اعتبار کیا جائے گا اور یہاں دو کلمے منقول ہیں:

① ...... بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ، ② ...... صرف بِسْمِ اللّٰهِ

یہ سورت کا جز ہے یا نہیں؟ یہ فقہاء کا الگ مسئلہ ہے۔ قرآن کی سورۃ النمل آیت نمبر: ٣٠ میں اور اسی طرح ہر سورۃ کی ابتدا میں موجود ہے سوائے سورۃ التوبۃ کے۔

صرف بِسْمِ اللّٰهِ قرآن کی سورۂ ہود آیت نمبر: ٤١ میں ہے۔ قرآنِ کریم میں یہی دو طرح کے الفاظ منقول ہیں۔ البتہ احادیث میں دیگر الفاظ بھی وارد ہیں۔ یہ ہیں کیفیاتِ منقولہ جنھیں تبدیل کرنا جائز نہیں ہے۔

بسم اللہ کس لیے؟

بسم اللہ حصول البرکۃ کے لیے ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نام کے ذریعے سے برکات کا حصول ہوا کرتا ہے۔ اس سے ہر کام کی ابتدا میں اللہ کی مدد حاصل ہوا کرتی ہے۔

پھر یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ہم ہر وقت ہر کام میں اللہ کی مدد کے محتاج ہیں، بسم اللہ پڑھنے کی یہ وجہ بھی ہے۔ قرآن کی تلاوت کرنے سے پہلے اس کا پڑھنا یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ قرآن چوں کہ قولِ ثقیل ہے، بھاری چیز ہے، ہم اللہ تعالیٰ کی مدد کے بغیر اس کے متحمل نہیں ہیں۔ لہٰذا ہم ابتدا میں یہ پڑھتے ہیں، اللہ سے مدد مانگتے ہیں کہ یہ قولِ ثقیل ہمارے لیے آسان فرما دے۔ اسی طرح ہر کام کی ابتدا میں شر کو دفع کرنے کے لیے اور شیطان کی تصغیر اور تحقیر کے لیے بسم اللہ پڑھی جاتی ہے۔

بسم اللہ کی ''ب'' حروفِ جارہ میں سے ہے۔ ان کو حروف المعانی کہا جاتا ہے۔ شرح مائۃ عامل اور دیگر کتب میں مذکور ہے کہ اس کے کئی معانی ہیں۔ لیکن بسم اللہ میں اس کا کیا معنی ہے؟ تو راجح یہ ہے کہ یہاں پر اَلْبَاءُ لِلْاِسْتِعَانَۃِ ''ب'' استعانت کے لیے ہے۔

ابتدائے سورت میں پوری بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھی جائے۔ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھ پر ابھی ایک سورت نازل ہوئی

ہے۔ پھر آپ نے یہ سورۃ تلاوت فرمائی:

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ﴿ وَ الْعَصْرِ o اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ o اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ تَوَاصَوْا بِالْحَقِّ لا وَ تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ o ﴾ [العصر:۱-۳۔ صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، نیز دیکھئے: ابوداود، کتاب الصلاۃ]

اسی طرح ابتدائے تحریر میں بھی پوری بسم اللہ الرحمٰن الرحیم تحریر کی جائے۔ سیدنا سلیمان علیہ السلام نے ملکہ سبا کو جو خط لکھا تھا اس کے متعلق قرآنِ کریم میں ارشاد ہے:

﴿ اِنَّهٗ مِنْ سُلَیْمٰنَ وَ اِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ﴾ [النمل:۳۰]

''یہ خط سلیمان علیہ السلام کی طرف سے ہے اور اسے اللہ کے نام سے جو رحمٰن ورحیم ہے، شروع کیا گیا ہے۔''

معلوم ہوا کہ نبی ﷺ سے قبل انبیاء علیہم السلام کا طریقہ بھی یہی تھا کہ وہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے اپنے خطوط کی ابتدا فرماتے تھے۔ نبی ﷺ بھی کفار ومشرکین کی طرف خطوط لکھواتے تھے ان کا آغاز بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے فرماتے تھے۔ قابل غور بات یہ ہے کہ آپ ﷺ یقینی طور پر جانتے تھے کہ یہ خطوط کفار ومشرکین کے ناپاک ہاتھوں میں جائیں گے اور وہی لوگ مخاطب بھی تھے مگر کیا شانِ الٰہی یہ ہے کہ آغاز اللہ کے مقدس نام سے کیا گیا۔ آپ ﷺ قرآنی تعلیم سے خوب آشنا تھے کہ مشرکین نجس ہیں۔ [التوبۃ:۲۸]

کیوں کہ قرآن کا نزول تو آپ پر ہی ہوا تھا۔ ۶ھ کے آخر میں آپ ﷺ نے امراء وملوک کے نام دعوتِ اسلام کے خطوط روانہ کیے۔ سب کی ابتدا **بسم اللہ الرحمن الرحیم** سے کی۔ آپ نے روم کے بادشاہ قیصر کو خط مبارک لکھوایا۔ [بخاری، کتاب بدء الوحی، باب کیف کان بدء الوحی...... الخ، ۷، ۲۹۴۱]

آپ نے ایران کے بادشاہ خسرو پرویز کو خط لکھا۔

[عیون الاثر لابن سید الناس، ج:۲، ص:۳۴۸،۳۴۷]

آپ نے شاہِ حبش نجاشی کے نام خط لکھوایا۔ [عیون الاثر: ۳۴۹/۲۔ زاد المعاد، سیرۃ ابن کثیر، نصب الرایۃ، مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ۔ الطبقات الکبریٰ:۱/۲۵،۲۵۹]

شاہِ مصر جریج بن مینا کے نام آپ نے گرامی نامہ بھیجا۔ [عیون الاثر لابن سید الناس:۲/۳۵۰ وابن قیم فی زاد المعاد، طبقات ابن سعد: ۱/ ۲۰۰ ومحمد بن طولون فی أعلام السائلین وحمید اللہ فی مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ]

رسولِ کریم ﷺ نے منذر بن ساویٰ کے نام خط ارسال کیا۔

[عیون الاثر لابن سید الناس:۲/۳۵۲۔ طبقات ابن سعد:۱/۲۰۲]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی اپنے خطوط کا آغاز **بسم اللہ الرحمن الرحیم** سے کرتے تھے۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے معاویہ رضی اللہ عنہ کو خط لکھا تو شروع میں **بسم اللہ الرحمن الرحیم** لکھا۔ [الأدب المفرد:۱۱۲۴ والموطأ:۲/۹۸۳، ح:۱۹۰۹]

حسن بصری رحمہ اللہ سے کسی نے **بسم اللہ الرحمن الرحیم** کے متعلق سوال کیا تو آپ نے جواباً فرمایا:

'' تلك صدور الرسائل ۔'' [الأدب المفرد:۱۱۲۳]

''یہ خطوط کے اوائل ہیں۔''

جب انس بن سیرین رحمہ اللہ نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو خط لکھا تو حکم دیا:

'' أکتب بسم اللہ الرحمٰن الرحیم إلی فلان ۔''

[أیضاً:۱۱۲۵]

معلوم ہوا کہ عہد رسالت، عہد صحابہ اور عہد تابعین میں آغازِ مکتوب **بسم اللہ الرحمن الرحیم** سے ہوا کرتا تھا۔ بعض لوگ اپنے خطوط اور تحریروں میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے بجائے ۷۸۶ اور ۹۲ کے ہندسے لکھتے ہیں جس کا ثبوت قرآن، حدیث اور آثارِ صحابہ وغیرہ سے قطعاً نہیں ملتا۔ لہٰذا اس سے اجتناب کرنا چاہیے۔

بسم اللہ اور نماز:

سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ، سیدنا ابوبکر اور

عمر رضی اللہ عنہما قراءت اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ سے شروع کرتے۔

[بخاری، الأذان، باب ما یقول بعد التکبیر، حدیث:۷۴۳۔ ومسلم، الصلاۃ، باب حجۃ من قال لا یجهر بالبسملۃ، حدیث:۳۹۹]

سیدنا انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ، ابوبکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کے پیچھے نماز پڑھی وہ بلند آواز سے **بسم الله الرحمن الرحيم** نہیں پڑھتے تھے۔ [مسلم، حوالہ سابقہ، حدیث:۳۹۹]

آپ **بسم الله الرحمن الرحيم** آہستہ پڑھتے تھے۔

[ابن خزیمہ، حدیث:۴۹۵]

سیدنا عبداللہ بن مغفل نے اپنے بیٹے کو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھتے ہوئے سن کر فرمایا: اے بیٹے! میں نے رسول اللہ ﷺ، ابوبکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کے ساتھ نماز پڑھی ہے۔ میں نے ان میں سے کسی نہیں سنا کہ وہ **بسم الله الرحمن الرحيم** پڑھتا ہو، لہٰذا تم بھی نہ پڑھا کرو۔ جب تم نماز پڑھو تو کہو الحمدللہ رب العالمین۔

[رواہ الترمذی وحسنہ]

یہ **بسم الله** بالاخفاء کے دلائل تھے۔ اب **بسم الله** بالجہر کے دلائل ملاحظہ فرمائیے:

قتادہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: سیدنا انس سے پوچھا گیا کہ رسول اللہ ﷺ کس طرح قراءت کرتے تھے؟ فرمایا: رسول اللہ ﷺ کھینچ کھینچ کر قراءت کرتے تھے، پھر انھوں نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھی، **بسم الله** کو کھینچا، **رحمن** کو کھینچا، **رحيم** کو کھینچا۔

[صحیح بخاری، فضائل القرآن، باب:۲۹]

جناب نعیم بن مجمر فرماتے ہیں کہ میں نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی انھوں نے **بسم الله الرحمن الرحيم** پڑھی پھر سورۂ فاتحہ پڑھی۔ یہاں تک کہ جب **غير المغضوب عليهم ولا الضالين** پر پہنچے۔ تو آمین کہی اور لوگوں نے بھی آمین کہی...... جب نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ میں نماز میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تم سے زیادہ مشابہت رکھتا ہوں۔ [نسائی، رقم الحدیث: ۹۰۶، دار قطنی، ابن حبان، ابن خزیمہ، بیہقی وغیرہ]

سیدنا عبدالرحمٰن بن ابزیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی۔ آپ نے بسم اللہ بالجہر پڑھی۔ [مصنف ابن ابی شیبہ، جلد:۱، ص:۴۱۲، شرح معانی الآثار الطحاوی، جلد:۱، ص:۱۳۷۔ السنن الکبریٰ للبیہقی جلد:۲، ص:۴۸]

جناب عبداللہ بن عباس وعبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہم سے اونچی آواز کے ساتھ بسم اللہ پڑھنا ثابت ہے۔ [جزء الخطیب وصححہ الذہبی فی مختصر الجہر بالبسملۃ للخطیب، ص:۱۸۰، حدیث:۴۱، اسے حافظ ذہبی نے صحیح کہا ہے۔]

علامہ نیموی حنفی (متوفی ۱۳۲۲ھ) لکھتے ہیں کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اونچی آواز سے بسم اللہ پڑھتے تھے۔ اس کی سند صحیح ہے۔

[التعلیق الحسن:۱۴۳]

حافظ ابن حجر نے بھی اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

[تہذیب التہذیب:۳۹/۴]

اس کے علاوہ دیگر صحابہ کرام کے آثار بھی کتب احادیث میں موجود ہیں جنھیں ہم طوالت کے خوف سے تحریر میں نہیں لا رہے۔

حافظ صلاح الدین یوسف فرماتے ہیں:

''اسی طرح جہری نمازوں میں اس کے اونچی آواز سے پڑھنے میں بھی اختلاف ہے۔ بعض اونچی آواز سے پڑھنے کے قائل ہیں اور بعض سری آواز سے۔ [فتح القدیر]

اکثر علمائے اہل حدیث نے سری آواز سے پڑھنے کو راجح قرار دیا ہے۔ تاہم جہری آواز سے بھی پڑھنا جائز ہے۔

[احسن البیان، ص:۴۰۱]

مولانا محمد تقی عثمانی کہتے ہیں: ''حنفیہ میں سے اس موضوع پر سب سے مفصل کلام حافظ جمال الدین زیلعی نے کیا ہے، انھوں نے نصب الرایہ میں اس مسئلہ پر تقریباً ساٹھ صفحات لکھے ہیں اور اپنی عادت کے خلاف بڑے جوش وخروش کا مظاہرہ کیا ہے۔ اس تمام تر نزاع کے باوجود یہ حقیقت ہے کہ تسمیہ کے جہر واخفا کے مسئلہ میں اختلاف جواز اور عدمِ

جواز کا نہیں ہے، بلکہ محض افضل ومفضول کا اختلاف ہے۔

[درسِ ترمذی: ۱/۴۹۹]

فقہی احکام پر مشتمل احادیث میں ہم مذاہب کی تفصیلات میں نہیں جانا چاہتے اور نہ ان کے دلائل بیان کرنا چاہتے ہیں۔ کیوں کہ اس سے موضوع طویل ہو جائے گا۔

بسم اللہ اور وضو:

سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا وضوء لمن لم یذکر اسم اللّٰہ علیه ۔

[سنن ابن ماجه:۳۹۷]

''جو شخص وضو کے (شروع) میں بسم اللہ نہ پڑھے اس کا وضو ہی نہیں۔'' ☆

فائدہ: شروع وضو میں صرف لفظ بسم اللہ آیا ہے۔ لہٰذا اسی پر اکتفا کرنا ہی سنت ہے۔ یہاں لوگوں نے اپنی طرف سے اور دعائیں گھڑ لی ہیں ان سے اجتناب کرنا چاہیے۔

مسجد میں داخلہ کے وقت:

اس دعا کا آغاز بھی بسم اللہ سے ہوتا ہے۔ [دیکھئے ابن ماجہ:۷۷۱]

مسجد سے نکلنے کی دعا سے پہلے بھی بسم اللہ ہے۔ [ایضاً]

بیت الخلا میں داخل ہونے کی دعا:

اس دعا کی ابتدا بھی بسم اللہ سے ہوئی ہے۔ [دیکھئے ترمذی ابواب السفر باب ما ذکر من التسمیة فی دخول الخلاء]

جماع کے وقت پڑھنے کی دعا:

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم میں سے کوئی اپنی بیوی کے پاس جائے تو کہے:

بسم الله، اللّٰھم جنبنا الشیطان وجنب الشیطان ما رزقتنا ۔ [صحیح بخاری: ٥١٦٥]

''اگر اللہ نے ان کے حق میں اولاد کا فیصلہ کر دیا تو شیطان اس کو کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا۔''

نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیمار تھے تو جبریل امین نے یہ کلمات پڑھے:

بسم اللّٰہ أرقیك من کل شيء یؤذیك من شر کل نفس أو عین حاسد اللّٰہ یشفیك بسم اللّٰہ أرقیك۔

[صحیح مسلم، کتاب السلام باب الطب والمرض والرقی]

ایک مسنون دم:

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مریض کو اس طرح دم کرتے:

بسم اللّٰہ تربة أرضنا بریقة بعضنا، یُشفی سقیمنا، بإذن ربنا ۔ [صحیح بخاری:٥٧٤٥، ٥٧٤٦۔ صحیح مسلم:٢١٩٤]

اور امام مسلم نے اس روایت کے شروع میں یہ اضافہ کیا کہ جب انسان اپنے اندر کوئی بیماری پائے یا اس کو کوئی پھوڑا پھنسی نکل آئے یا کوئی زخم ہو تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی انگلی مبارک سے اس طرح کرتے۔ سفیان نے اپنی سبابہ انگلی کو زمین پر رکھا پھر اس کو اٹھا لیا اور مذکورہ کلمات نقل کیے۔

سیدنا عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے درد کی شکایت کی کہ جب سے ہم مسلمان ہوئے ہیں۔ ہم اپنے جسم میں درد محسوس کرتے ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: اپنا ہاتھ اپنے جسم کی درد والی جگہ پر رکھیں اور تین مرتبہ بسم اللہ اور سات مرتبہ اعوذ باللّٰہ وقدرته من شر ما أجد وأحاذر پڑھیں۔

[صحیح مسلم:٢٢٠٢]

میت کو قبر میں اتارتے وقت:

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے

☆......حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کی سند کو ضعیف قرار دیا ہے اور امام احمد سے نقل کیا کہ اس مسئلے میں کوئی حدیث ثابت نہیں ہے۔ لیکن بسم اللہ پڑھنا مسنون ہے۔

[مسند احمد:۳/۱۶۵۔ نسائی:۱/۶۱۔ عبدالصمد ریالوی]

فرمایا: جب تم اپنے مردوں کو قبر میں رکھو تو بسم اللہ وعلی ملة رسول اللہ کہو۔

[سنن ابن ماجه: ۱۵۵۰ واللفظ له نيز ديكهئے سنن ابى داود: ۳۲۱۳، صحيح ابن حبان، الموارد: ۷۷۳]

دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں: بسم اللہ وعلی سنة رسول اللہ

فائدہ: میت کو قبر میں رکھتے وقت دوسری دعائیں پڑھنا ثابت نہیں سوائے مذکورہ دعاؤں کے۔ اس وقت اذانیں وغیرہ کہنا بدعت ہے۔ نیز صلوٰۃ الجنازہ کے بعد دعا مانگنا بھی بدعت ہے۔ کیوں کہ نہ تو نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے اور نہ ہی خیر القرون میں اس کا کوئی وجود ملتا ہے۔

کھانا شروع کرنے کی دعا:

عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں ایک بچہ تھا جو رسول اللہ ﷺ کی نگہداشت میں تھا اور میرا ہاتھ کھانے کی پلیٹ میں گھومتا تھا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: اے بچے! اللہ کا نام لے اور اپنے دائیں ہاتھ سے کھا اور اس کے بعد میں ہمیشہ ایسے ہی کھاتا تھا۔

[صحيح بخارى: ۵۳۷۶۔ صحيح مسلم: ۲۰۲۲]

اگر ابتدا میں بسم اللہ کہنا بھول جائے......

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو اپنے کھانے میں اللہ کے ذکر کو بھول جائے جب اسے یاد آئے تو کہے: بسم اللہ فی أوله وآخره ۔ تو وہ نئے سرے سے کھانا شروع کرتا ہے اور ناپاکی جو اس کو پہنچی ہے اس کو ختم کرتا ہے۔ [صحيح ابن حبان، الموارد: ۱۳۴۰، عمل اليوم والليلة لابن السنى: ۴۵۹]

قربانی کی دعا:

(۱)...... بسم اللہ اللہ أكبر ۔ [صحيح بخارى، كتاب الأضاحى باب التكبير عند الذبح۔ صحيح مسلم، كتاب الأضاحى باب استحباب استحسان الضحية وذبحها]

(۲)...... بسم اللہ واللہ أكبر ۔

[صحيح مسلم، كتاب الأضاحى]

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب رات چھا جائے یا تم شام کرو تو اپنے بچوں کو روک رکھو۔ کیوں کہ اس وقت شیاطین گھومتے پھرتے ہیں جب رات کا کچھ حصہ گزر جائے تو پھر ان کو چھوڑ دو، دروازوں کو بند کرو اور اللہ کا نام لو۔ بیشک شیطان بند دروازے کو نہیں کھولتا اور اپنی مشکوں کو بھی اچھی طرح باندھ دو اور اس پر اللہ کا نام لو اور اپنے برتنوں کو بھی ڈھانپ دو اور اللہ کا نام لو اگر چہ ان پر کسی چیز کو لمبا ڈال دو اور اپنے چراغوں کو بھی بجھا دو۔

[صحيح مسلم: ۲۰۱۲، دار السلام: ۵۲۵۰]

صبح و شام تین تین دفعہ پڑھنے کی دعا:

بسم اللہ الذى لا يضر مع اسمه شئى فى الأرض ولا فى السماء وهو السميع العليم ۔ [أبوداود، أبواب النوم باب ما يقول إذا أصبح۔ ابن ماجه، كتاب الدعاء، باب ما يدعو به الرجل إذا أصبح وإذا أمسٰى]

سواری پر بیٹھنے کی دعا:

علی بن ربیعہ بیان کرتے ہیں کہ میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پیچھے سوار تھا جب انھوں نے اپنا پاؤں رکاب میں رکھا تو کہا: بسم الله ...... مکمل دعا کے لیے دیکھئے: [سنن ابى داؤد: ۲۶۰۲۔ ترمذى: ۳۴۴۶۔ المستدرك الحاكم: ۲/۹۸]

جب سواری پھسل جائے:

حدیث میں آتا ہے کہ جب سواری پھسل جائے تو یوں مت کہو کہ شیطان ہلاک ہو جائے اس لیے کہ شیطان اس بات سے موٹا ہوتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے تجھے اپنی طاقت سے پھسلایا ہے۔ بلکہ بسم اللہ کہو ایسا کہنے سے شیطان چھوٹا (ذلیل) ہو جائے گا۔ یہاں تک کہ مکھی کی مانند چھوٹا (ذلیل) ہو جائے گا۔ [ابوداؤد: ۴۹۸۲]

لباس اتارنے کی دعا:

بسم الله ۔ [صحیح الجامع: ۱/۶۷۵، حدیث: ۳۶۱۰]

بسم اللہ پڑھنا سونے کے آداب میں سے ہے: رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ جب تم میں سے کوئی شخص اپنے بستر پر آئے تو اپنے کپڑے کے ایک کونے سے بسم اللہ کہہ کر بستر کو تین دفعہ جھاڑے۔

[صحیح بخاری، کتاب التوحید، باب:۱۳۔ صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعاء، باب:۶۲]

بسم اللہ اور جہاد:

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: اللہ کا نام لے کر اللہ کے راستہ میں جنگ کرو۔ [صحیح مسلم، کتاب الجهاد:۴۵۲۲]

گھر میں داخل ہوتے وقت کی دعا:

اللهم انی اسالك خير المولج وخير المخرج ۔ بسم الله ولجنا وبسم الله خرجنا وعلى ربنا توكلنا۔ [ابوداود:۵۰۹۶]

گھر سے نکلتے وقت کی دعا:

بسم الله توكلت على الله ولا حول ولا قوة إلا بالله ۔ [سنن ترمذی، ابواب الدعوات، باب ما يقول إذا خرج من بيته، رقم:۳۴۲۶]

بسم اللہ اور شکار:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شکار تم اپنی کمان سے کرو اور اس پر اللہ کا نام لو تو اس کو کھاؤ اور جو شکار تم اپنے سدھائے ہوئے کتے کے ساتھ کرو اور اس پر اللہ کا نام لو تو اس کو بھی کھالو اور جو شکار بغیر سدھائے ہوئے کتے سے کرو تو اگر تم نے اسے خود ذبح کیا ہے تو اس کو بھی کھالو۔

[صحیح بخاری:۵۴۷۸۔ صحیح مسلم: ۱ تا ۱۹۲۹/۷]

بسم اللہ اور مذبوح:

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ کچھ لوگ ہمارے پاس گوشت لے کر آتے ہیں ہم نہیں جانتے کہ انھوں نے اللہ کا نام لیا یا نہیں؟ آپ نے فرمایا: تم اللہ کا نام لے کر اسے کھالو۔

[صحیح بخاری، باب ذبیحة الاعراب، رقم: ۵۵۰۷]

پانی پینے سے پہلے بسم اللہ پڑھی جائے۔

[الأوسط للطبرانی:۳۵۱/۲]

حجر اسود کو بوسہ دیتے وقت کی دعا:

بسم الله الله أكبر ۔ [مسند احمد]

پچھلی امتوں میں ایک کافر بادشاہ نے ایک موحد لڑکے کو اس کے کہنے کے مطابق بِسْمِ اللّٰهِ رَبِّ الْغُلَامِ کہہ کر تیر مارا تھا جس سے اس (لڑکے) کی موت واقع ہوئی۔

[صحیح مسلم، کتاب الزهد، قصة أصحاب الأخدود: ۳۰۰۵/۱۷]

❀❀............❀............❀❀

خواتین ایکٹ......اغراض ومقاصد،نتائج ومضمرات

حافظ صلاح الدین یوسف،مشیر وفاقی شرعی عدالت، پاکستان

مغرب زدہ اور لادین عناصر کی ۲۷ سالہ جدوجہد کے نتیجے میں بالآخر حدود آرڈی نینس (نافذ کردہ ۱۹۷۹ء) کا تیاپانچہ کر کے ۱۳ نومبر ۲۰۰۶ء کو تحفظ نسواں بل قومی اسمبلی سے اور بعدازاں سینٹ سے پاس ہو کر صدر مملکت کے دستخط کے بعد ایکٹ (قانون) کی صورت میں نافذ کردیا گیا ہے۔

اس بل کا پاس ہوجانا اور پھر قانون بن کر نافذ ہوجانا، اُن اسلامیانِ پاکستان کے لیے جو پاکستان کا مقصد قیام اسلام کا نفاذ سمجھتے تھے اور اسی لیے انھوں نے جان ومال کی گراں قدر قربانیاں پیش کی تھیں، ایک عظیم صدمے سے کم نہیں۔اس لیے اس پر قرآنِ کریم کے الفاظ میں انا للہ وانا الیہ راجعون ہی پڑھا جاسکتا ہے اور پڑھا جانا چاہیے۔قرآن نے کہا ہے:

﴿ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴾ [البقرۃ:۲/۱۵۶]

''مومنین صابرین کو جب کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ انا للہ انا الیہ راجعون پڑھتے ہیں۔''

جمہوریت،اسلام اور مسلمانوں کے لیے ایک عظیم خطرہ:

حدود آرڈی نینس تقریباً ۲۷ سال نافذ رہا۔لیکن حکومتوں کی بدنیتی،مغرب سے مرعوبیت اور غلامانہ ذہنیت کی وجہ سے عملاً غیر مؤثر رہا اور کسی ایک شخص کو بھی اس کے تحت صحیح معنوں میں سزا نہیں ملی،صرف داروگیر اور قید وبند تک معاملہ رہا اور ججوں سمیت عدالتی اہل کاروں، وکیلوں اور پولیس کی چاندی رہی اور اس طویل عرصے میں کسی ایک حد کا بھی نفاذ نہیں ہوا،نہ کسی چور کے ہاتھ کٹے،نہ کسی زانی کو کوڑے لگے اور نہ کسی کو سنگسار ہی کیا گیا۔یہ تاریخ انسانیت کا ایک عجوبہ قانون ہے جس کے تحت کسی کو سزا نہیں ملی۔حالاں کہ چوری کی وارداتیں بھی اتنی کثرت سے ہوتی ہیں کہ الامان والحفیظ۔اسی طرح زناکاری کا جرم بھی کثیر الوقوع ہے اور شراب نوشی بھی عام ہے۔

پھر کیا وجہ ہے کہ حدود آرڈی نینس کے خلاف اتنا شوروغوغا بلند رہا، سیکولر عناصر اس کے خلاف مسلسل سرگرم اور متحرک رہے اور مغربی لابیاں اور این جی اوز اس کو اپنے لیے ایک چیلنج سمجھتی رہیں اور اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھیں جب تک کہ اس کے بالکل برعکس ایک سراسر غیر اسلامی قانون انھوں نے منظور نہیں کروالیا۔

یہ سب مغربی جمہوریت کا شاخسانہ اور اس کی ''برکات'' ہیں۔ مغربی استعمار اور اس کے گماشتے اسلامی ملکوں میں جمہوریت کے نفاذ پر جو زور دیتے ہیں، اس کا مقصد یہی ہے کہ اس کے ذریعے سے اسلامی ملکوں اور اسلامی معاشروں کو ان کی اسلامی خصوصیات اور اسلامی تہذیب واقدار سے دور کردیا جائے۔ یہ مقصد جمہوریت ہی سے حاصل ہوسکتا ہے۔کیوں کہ جمہوریت ہی میں آزادئ رائے کی مکمل اجازت ہے اور اس اجازت کا مطلب یہی ہے کہ ہر شخص کو اپنی رائے کے اظہار کا اور اس کی طرف لوگوں کو بلانے کا حق حاصل ہے قطع نظر اس کے کہ وہ نظریہ یا رائے اسلام کے خلاف ہے، یا اس کے مطابق؟ علاوہ ازیں اسمبلیاں مطلقاً قانون سازی کا حق رکھتی ہیں، اس کے ممبر عوام کے منتخب نمائندے ہیں، وہ اکثریتی رائے سے جو چاہیں قانون بنا سکتے اور نافذ کرسکتے ہیں، ان کو اللہ ورسول کی رائے اور ان کی باتوں کا پابند نہیں کیا جاسکتا۔

مغربی جمہوریت کی انھی دو کمزوریوں یا بقول ان کے دو ''خوبیوں'' سے مذکورہ عناصر نے فائدہ اٹھایا۔ پہلے ۲۷ سال یک طرفہ جھوٹے پروپیگنڈے کے زور سے یہ باور کرایا گیا کہ حدود آرڈی نینس

کی وجہ سے عورت پر بڑا ظلم ہو رہا ہے۔ اس لیے اس کو ختم کر کے عورت کی داد رسی کا اہتمام ضروری ہے۔ دوسرے نمبر پر قومی اسمبلی میں اپنی اکثریت کے بل پر متنازعہ اور خلافِ اسلام بل پاس کروالیا۔

یہ اُن حضرات کے لیے لمحۂ فکریہ ہے جو کہتے ہیں کہ جمہوری نظام اسلام کے خلاف نہیں ہے۔ بلکہ اسلام کے مطابق ہے جس طرح پہلے سوشلسٹ اور کمیونسٹ کہتے تھے کہ سوشلزم عین اسلام ہے، اس میں کوئی بات خلافِ اسلام نہیں۔ حالات اور واقعات نے ثابت کر دیا کہ جس طرح سوشلزم کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں، اسی طرح جمہوریت بھی سراسر غیر اسلامی نظام ہے۔ علاوہ ازیں اس کے ذریعے سے کبھی اسلام نہیں آسکتا۔ ہاں اسلام سے دور ہو سکتے ہیں۔

دیکھ لیجیے، قومی اسمبلی اور سینٹ میں اسلامی ذہن رکھنے والے حضرات ایک معقول تعداد میں موجود ہیں لیکن وہ زیر بحث بل کو رکوانے میں ناکام رہے اور خدانخواستہ یہ قانون اگر چند سال نافذ رہ گیا تو اسلام کے تصور حیا وعفت کی دھجیاں بکھر جائیں گی اور حیا باختگی کا وہ طوفان آئے گا کہ جس کے تصور ہی سے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ لا قدرہ اللہ

قانون کا نام ''تحفظ نسواں'' کیوں؟

اس قانون کو ''تحفظ نسواں'' کا نام دیا گیا ہے۔ حالاں کہ اس قانون کا تعلق زنا اور قذف کی سزاؤں سے ہے۔ جس میں مردوں کی طرح عورتیں بھی ملوث ہوسکتی ہیں، مردوں کی طرح عورتیں بھی ورغلا کر مردوں کو زنا کاری پر آمادہ یا مجبور کرسکتی ہیں۔ جیسے قرآنِ مجید میں امرأۃ العزیز اور حضرت یوسف کا واقعہ اس کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ اسی طرح زنا کی جھوٹی تہمت مردوں کی طرح عورت بھی لگا سکتی ہے۔ بلکہ عام مشاہدہ تو یہ ہے کہ عورتیں دوسری عورتوں پر زنا کی تہمت لگانے میں بڑی بے باک ہیں۔ جب واقعہ یہ ہے کہ زنا اور قذف (زنا کی جھوٹی تہمت) کا ارتکاب مردوں کی طرح عورتوں سے بھی ہوتا اور ہوسکتا ہے تو پھر اسے تحفظ نسواں کا نام کس طرح دیا جاسکتا ہے؟ کیا دنیا میں کوئی قانون ایسا بھی ہے جسے ''تحفظ مرداں'' یا ''تحفظ حقوقِ مرداں'' کے نام سے معنون کی جاتا ہو۔

تنظیمیں اور وزارتیں تو مخصوص اغراض ومقاصد کے لیے بنتی ہیں، تو ان کے نام بھی ان کے مخصوص اغراض ومقاصد کے مطابق رکھ لیے جاتے ہیں۔ اگر حکومت بھی ایک پرائیویٹ تنظیم ہے یا اس کا تعلق کسی ایک وزارت سے ہے، تو وہ صرف حقوقِ نسواں کے تحفظ کو اپنا مقصد وحید قرار دے سکتی ہے۔ لیکن اگر حکومت کا مقصد تمام شہریوں کے حقوق کا تحفظ ہے چاہے وہ مرد ہو یا عورت۔ تو پھر حکومت کے فرائض میں مرد وعورت دونوں کے حقوق کا تحفظ ...... یکساں طور پر...... داخل ہے، وہ کسی ایک صنف کو نظر انداز کر کے دوسری صنف ہی کو اپنا مطمحِ نظر قرار نہیں دے سکتی۔ بالخصوص ایسے معاملات میں جن میں دونوں صنفیں برابر کے حقوق رکھتی ہوں۔ کسی ایسے جرم کے ارتکاب کی سزا کے لیے قانون بنایا جائے جس کا ارتکاب مرد اور عورت دونوں میں سے کوئی بھی کرسکتا ہے تو اس قانون کا نام ایسا تجویز کیا جائے گا جو اس جرم کے انسداد اور اس کی سزا کا مظہر ہو، نہ کسی ایک صنف کے نام پر اسے معنون کیا جائے گا۔

مثلاً رشوت کے انسداد اور اس کی سزا کے لیے کوئی قانون بنایا جائے، تو کیا اس کا نام تحفظ حقوق مرداں یا نسواں یا عوام رکھا جاسکتا ہے؟ قانون تو سب کے لیے یکساں ہے، جو بھی اس قانون کی خلاف ورزی کرے گا، مرد ہو یا عورت، اس کا مؤاخذہ واحتساب ہوگا۔ اس کو قانون کی گرفت میں لایا جائے گا، اس قانون کو کسی ایک صنف کے حقوق کے تحفظ کا مظہر کیوں کر قرار دیا جاسکتا ہے؟

بنابریں زیر بحث قانون، جس کا تعلق زنا اور قذف کے جرم سے ہے، اس کا نام خواتین ایکٹ، تحفظ نسواں یا تحفظ حقوقِ نسواں رکھنا بنیادی طور پر غلط ہے اور اُس صنفی امتیاز کا مظہر ہے جس کو ختم کرنے کا حکومت مسلسل اعلان اور دعویٰ کرتی ہے۔

''تحفظ نسواں'' نام کا پس منظر، ایک جھوٹا پروپیگنڈہ ہے:

واقعہ یہ ہے کہ یہ عجیب وغریب نام بھی ایک پس منظر رکھتا ہے اور وہ یہ ہے کہ سیکولر عناصر، مغرب زدہ حضرات اور بیرونی استعمار کی پروردہ اور ایجنٹ این جی اوز مسلسل یہ پروپیگنڈہ کرتی آرہی ہیں کہ حدود آرڈی

نینس کی وجہ سے عورتوں پر بڑا ظلم ہو رہا ہے۔ جو عورت بھی آ کر یہ فریاد کرتی ہے کہ اس کی عصمت دری کی گئی ہے تو اس سے چار عینی گواہوں کا مطالبہ کیا جاتا ہے، جو کہ ظاہر ہے کہ پیش نہیں کیے جا سکتے، نتیجتاً خود اس عورت کو الزامِ زنا میں دھر لیا جاتا ہے اور اس کو حوالہ زنداں کر دیا جاتا ہے۔ یہ پروپیگنڈہ یکسر خلافِ واقعہ ہے۔ اس کی وضاحت مولانا تقی عثمانی سابق جج وفاقی شرعی عدالت وشریعت اپیلیٹ بینچ نے خود اپنے ایک مضمون میں کی ہے جو کم وبیش ۲۰، ۲۱ سال ان مقدمات کی سماعت کرتے رہے ہیں۔ ان سے زیادہ واقف حال کوئی اور نہیں ہوسکتا۔ انھوں نے اس پروپیگنڈے کے غبارے کی ساری ہوا نکال دی ہے، ان کے مضمون سے متعلقہ اقتباس ملاحظہ ہو، تحریر فرماتے ہیں:

''قرآنِ کریم، سنت نبویہ علیٰ صاحبہا السلام اور خلفائے راشدین کے فیصلوں سے یہ بات کسی شبے کے بغیر ثابت ہے کہ زنا کی حد جس طرح رضامندی کی صورت میں لازم ہے، اسی طرح زنا بالجبر کی صورت میں بھی لازم ہے اور یہ کہنے کا کوئی جواز نہیں ہے کہ قرآن وسنت نے زنا کی جو حد (شرعی سزا) مقرر کی ہے، وہ صرف رضامندی کی صورت میں لاگو ہوتی ہے، جبر کی صورت میں اس کا اطلاق نہیں ہوتا۔

سوال یہ ہے کہ پھر کس وجہ سے زنا بالجبر کی شرعی سزا کو ختم کرنے پر اتنا اصرار کیا گیا ہے؟ اس کی وجہ دراصل ایک انتہائی غیر منصفانہ پروپیگنڈا ہے جو حدود آرڈی نینس کے نفاذ کے وقت سے بعض حلقے کرتے چلے آ رہے ہیں، پروپیگنڈا یہ ہے کہ حدود آرڈی نینس کے تحت اگر کوئی مظلوم عورت کسی مرد کے خلاف زنا بالجبر کا مقدمہ درج کرائے تو اُس سے مطالبہ کیا جاتا ہے کہ وہ زنا بالجبر پر چار گواہ پیش کرے، اور جب وہ چار گواہ پیش نہیں کر سکتی تو الٹا اُسی کو گرفتار کر کے جیل میں بند کر دیا جاتا ہے۔ یہ وہ بات ہے جو عرصہ دراز سے بے تکان دہرائی جا رہی ہے، اور اس شدت کے ساتھ دہرائی جا رہی ہے کہ اچھے خاصے پڑھے لکھے لوگ اسے سچ سمجھنے لگے ہیں، اور یہی وہ بات ہے جسے صدر مملکت نے بھی اپنی نشری تقریر میں اس بل کی واحد وجہ جواز کے طور پر پیش کیا ہے۔

جب کوئی بات پروپیگنڈے کے زور پر گلی گلی اتنی مشہور کر دی جائے کہ وہ بچے بچے کی زبان پر ہو تو اس کے خلاف کوئی بات کہنے والا عام نظروں میں دیوانہ معلوم ہوتا ہے، لیکن جو حضرات انصاف کے ساتھ مسائل کا جائزہ لینا چاہتے ہیں، میں انھیں دلسوزی کے ساتھ دعوت دیتا ہوں کہ وہ براہِ کرم پروپیگنڈے سے ہٹ کر میری آئندہ معروضات پر ٹھنڈے دل سے غور فرمائیں۔

واقعہ یہ ہے کہ میں خود پہلے وفاقی شریعت عدالت کے جج کی حیثیت سے اور پھر سترہ سال تک سپریم کورٹ کی شریعت اپیلٹ بینچ کے رکن کی حیثیت سے حدود آرڈی نینس کے تحت درج ہونے والے مقدمات کی براہِ راست سماعت کرتا رہا ہوں۔ اتنے طویل عرصے میں میرے علم میں کوئی ایک مقدمہ بھی ایسا نہیں آیا جس میں زنا بالجبر کی کسی مظلومہ کو اس بنا پر سزا دی گئی ہو کہ وہ چار گواہ پیش نہیں کر سکی، اور حدود آرڈی نینس کے تحت ایسا ہونا ممکن بھی نہیں تھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حدود آرڈی نینس کے تحت چار گواہوں یا ملزم کے اقرار کی شرط صرف زنا بالجبر موجب تعزیر کے لیے رکھی گئی تھی جس میں چار گواہوں کی شرط نہیں تھی، بلکہ اس میں جرم کا ثبوت کسی ایک گواہ، طبی معائنے اور کیمیاوی تجزیہ کار کی رپورٹ سے بھی ہو جاتا تھا۔ چناں چہ زنا بالجبر کے بیشتر مجرم اسی دفعہ کے تحت ہمیشہ سزایاب ہوتے رہے ہیں۔

سوچنے کی بات یہ ہے کہ جو مظلومہ چار گواہ نہیں لا سکی، اگر اُسے کبھی سزا دی گئی ہو تو حدود آرڈی نینس کی کون سی دفعہ کے تحت دی گئی ہوگی؟ اگر یہ کہا جائے کہ اُسے قذف (یعنی زنا کی جھوٹی تہمت لگانے) پر سزا دی گئی تو قذف آرڈی نینس کی دفعہ ۳ استثنا نمبر ۳ میں صاف صاف یہ لکھا ہوا موجود ہے کہ جو شخص قانونی اتھارٹیز کے پاس زنا بالجبر کی شکایت لے کر جائے اُسے صرف اس بناء پر قذف میں سزا نہیں دی جا سکتی کہ وہ چار گواہ پیش نہیں کر سکا/ کر سکی۔ کوئی عدالت ہوش وحواس میں رہتے ہوئے ایسی عورت کو سزا دے ہی نہیں سکتی، دوسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ اُسی عورت کو رضامندی سے زنا کرنے کی سزا دی جائے۔ لیکن اگر کسی عدالت نے ایسا کیا ہو تو اس کی یہ وجہ ممکن نہیں ہے کہ وہ خاتون چار گواہ نہیں لا سکی، بلکہ واحد ممکن وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ عدالت شہادتوں کا جائزہ

لینے کے بعد اس نتیجے پر پہنچی کہ عورت کا جبر کا دعویٰ جھوٹا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اگر کوئی عورت کسی مرد پر یہ الزام عائد کرے کہ اس نے زبردستی اس کے ساتھ زنا کیا ہے، اور بعد میں شہادتوں سے ثابت ہو کہ اس کا جبر کا دعویٰ جھوٹا ہے، اور وہ رضامندی کے ساتھ اس عمل میں شریک ہوئی تو اسے سزایاب کرنا انصاف کے کسی تقاضے کے خلاف نہیں ہے۔ لیکن چوں کہ عورت کو یقینی طور پر جھوٹا قرار دینے کے لیے کافی ثبوت عموماً موجود نہیں ہوتا، اس لیے ایسی مثالیں بھی اکا دکا ہیں، ورنہ ۹۹ فیصد مقدمات میں یہ ہوتا ہے کہ اگرچہ عدالت کو اس بات پر اطمینان نہیں ہوتا کہ مرد کی طرف سے جبر ہوا ہے، لیکن چوں کہ عورت کی رضامندی کا کافی ثبوت بھی موجود نہیں ہوتا، اس لیے ایسی صورت میں بھی عورت کو شک کا فائدہ دے کر چھوڑ دیا جاتا ہے۔

حدود آرڈی نینس کے تحت پچھلے ۲۷ سال میں جو مقدمات ہوئے ہیں، ان کا جائزہ لے کر اس بات کی تصدیق آسانی سے کی جاسکتی ہے۔ میرے علاوہ جن جج صاحبان نے یہ مقدمات سنے ہیں اُن سب کا تاثر بھی میں نے ہمیشہ یہی پایا کہ اس قسم کے مقدمات میں جہاں عورت کا کردار مشکوک ہو، تب بھی عورتوں کو سزا نہیں ہوتی، صرف مرد کو سزا ہوتی ہے۔

چوں کہ حدود آرڈی نینس کے خلاف کے نفاذ کے وقت ہی سے یہ شور بہ کثرت مچتا رہا ہے کہ اس کے ذریعے بے گناہ عورتوں کو سزا ہو رہی ہے۔ اس لیے ایک امریکی اسکالر چارلس کینیڈی یہ شورسن کر ان مقدمات کا سروے کرنے کے لیے پاکستان آیا، اس نے حدود آرڈی نینس کے مقدمات کا جائزہ لے کر اعداد و شمار جمع کیے، اور اپنی تحقیق کے نتائج ایک رپورٹ میں پیش کیے جو شائع ہو چکی ہے۔ اس رپورٹ کے نتائج بھی مذکورہ بالا حقائق کے عین مطابق ہے۔ وہ اپنی رپورٹ میں لکھتا ہے:

”جن عورتوں کو دفعہ ۱۰ (۲) کے تحت (زنا بالرضا کے جرم میں) سزایاب ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے، وہ اپنے مبینہ شریک جرم کے خلاف ۱۰ (۳) کے تحت (زنا بالجبر کا) الزام لے کر آجاتی ہیں۔ فیڈرل شریعت کورٹ کو چوں کہ کوئی ایسی قرائنی شہادت نہیں ملتی جو زنا بالجبر کے الزام کو ثابت کر سکے، اس لیے وہ مرد ملزم کو دفعہ ۱۰ (۲) کے تحت (زنا بالرضا) کی سزا دے دیتا ہے...... اور عورت ”شک کے فائدے“ والے قاعدے کی بنا پر اپنی ہر غلط کاری کی سزا سے چھوٹ جاتی ہے۔“

یہ ایک غیر جانبدار غیر مسلم اسکالر کا مشاہدہ ہے، جسے حدود آرڈی نینس سے کوئی ہمدردی نہیں ہے، اور ان عورتوں سے متعلق ہے جنھوں نے بظاہر حالات رضامندی سے غلط کاری کا ارتکاب کیا، اور گھر والوں کے دباؤ میں آ کر اپنے آشنا کے خلاف زنا بالجبر کا مقدمہ درج کرایا۔ اُن سے چار گواہوں کا نہیں، قرائنی شہادت (Circumstantial evidence) کا مطالبہ کیا گیا، اور وہ قرائنی شہادت بھی ایسی پیش نہ کر سکیں جس سے جبر کا عنصر ثابت ہو سکے۔ اس کے باوجود سزا صرف مرد کو ہوئی، اور شک کے فائدے کی وجہ سے اس صورت میں بھی ان کو کوئی سزا نہیں ہوئی۔

لٰہذا واقعہ یہ ہے کہ حدود آرڈی نینس میں ایسی کوئی بات نہیں ہے جس کی رو سے زنا بالجبر کا شکار ہونے والی عورت کو چار گواہ پیش نہ کرنے کی بناء پر الٹا سزایاب کیا جا سکے۔

البتہ یہ ممکن ہے اور شاید چند واقعات میں ایسا ہوا بھی ہو کہ مقدمے کے عدالت تک پہنچنے سے پہلے تفتیش کے مرحلے میں پولیس نے قانون کے خلاف کسی عورت کے ساتھ یہ زیادتی کی ہو کہ وہ زنا بالجبر کی شکایت لے کر آئی، لیکن انھوں نے اِسے زنا بالرضا میں گرفتار کر لیا۔ لیکن اسی زیادتی کا حدود آرڈی نینس کی کسی خامی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس قسم کی زیادتیاں ہمارے ملک کی پولیس ہر قانون کی تنفیذ میں کرتی رہتی ہے۔ اس کی وجہ سے قانون کو نہیں بدلا جاتا۔ ہیروئن رکھنا قانوناً جرم ہے، مگر پولیس کتنے بے گناہوں کے سر ہیروئن ڈال کر انھیں تنگ کرتی ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ ہیروئن کی ممانعت کا قانون ہی ختم کر دیا جائے۔

زنا بالجبر کی مظلوم عورتوں کے ساتھ اگر پولیس نے بعض صورتوں میں ایسی زیادتی کی بھی ہے تو فیڈرل شریعت کورٹ نے اپنے فیصلوں کے ذریعے اس کا راستہ بند کیا ہے، اور اگر بالفرض اب بھی ایسا کوئی خطرہ

موجود ہوتو ایسا قانون بنایا جاسکتا ہے جس کی رو سے یہ طے کردیا جائے کہ زنا بالجبر کی مستغیثہ کو مقدمے کا آخری فیصلہ ہونے تک حدود آرڈی نینس کی کسی بھی دفعہ کے تحت گرفتار نہیں کیا جاسکتا اور جو شخص ایسی مظلومہ کو گرفتار کرے، اُسے قرار واقعی سزا دینے کا قانون بھی بنایا جاسکتا ہے۔ لیکن اس کی بنا پر ''زنا بالجبر'' کی حد شرعی کو ختم کردینے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ لہٰذا زیرِ نظر بل میں زنا بالجبر کی حد شرعی کو جس طرح بالکلیہ ختم کردیا گیا ہے، وہ قرآن وسنت کے واضح طور پر خلاف ہے، اوراس کا خواتین کے ساتھ ہونے والی زیادتی سے بھی کوئی تعلق نہیں ہے۔''

اسلامی تعلیمات ہی عورتوں کے حقوق کا تحفظ کرسکتی ہیں:

بات تحفظ نسواں کی آ گئی ہے تو آگے چلنے سے پہلے یہ وضاحت کردینی بھی مناسب معلوم ہوتی ہے کہ خواتین کا تحفظ اگر ہوسکتا ہے تو صرف اور صرف اسلامی قوانین اور اسلامی تعلیمات پر عمل درآمد ہی ہوسکتا ہے، ان سے گریز اور اعراض کرکے ان کے تحفظ کا دعویٰ

ایں خیال است و محال است و جنوں

ہی کے ضمن میں آتا ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام کا تصورِ حیا وعفت اتنا بلند ہے کہ دوسرے مذاہب ونظریات اس کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتے۔ خواتین ایکٹ میں یہی ظلم کیا گیا ہے کہ حدود آرڈی نینس کی تمام اسلامی دفعات کا خاتمہ کرکے، جو عورت کے تحفظ کی ضامن تھیں، نئی دفعات تجویز کی گئی ہیں جن سے عورت کی مٹی پلید ہوگی، البتہ آوارگی کا راستہ آسان ہوجائے گا۔ اگر عورت کے تحفظ کا مطلب یہی ہے کہ آوارہ منش، شیطان صفت لوگوں اور ہوس کاروں کو عورت کی عفت وعصمت سے کھیلنے کے زیادہ سے زیادہ مواقع مہیا کیے جائیں۔ اس راستے کی رکاوٹوں کو دور کردیا جائے اور ارتکابِ فواحش کی سہولتیں عام کردی جائیں۔ تو بلاشبہ اس خواتین ایکٹ میں مذکورہ باتوں کا قانونی اہتمام کردیا گیا ہے۔ خدانخواستہ یہ ایکٹ چند سال نافذ رہا تو دیکھ لینا کہ مغربی معاشروں میں حیا باختگی کے جو مناظر عام ہیں، برسرِ عام بوس وکنار جو حیا سوز صورتیں وہاں دعوت نظارہ دیتی ہیں اور شراب وشاہد کی ایمان شکن فتنہ انگیزیاں لوگوں کے دلوں کو لبھاتی اور گرماتی ہیں۔ یہ اخلاق سوز، ایمان شکن اور رہزنِ تمکین وہوش مناظر یہاں بھی عام ہوں گے اور اہل ایمان

ٹک ٹک دیدم ، دم نہ کشیدم

کے بمصداق مہر بہ لب رہنے پر مجبور ہوں گے۔ کیوں کہ خواتین ایکٹ ان کی پشت پر ہوگا۔

قانونِ الٰہی سے گریز وانحراف، سراسر تباہی کا راستہ ہے:

یہ بات بھی یاد رکھیں کہ انسان کا خالق اللہ تعالیٰ ہے، اس لیے صرف اللہ تعالیٰ ہی انسانی وجود کے اندر کارفرما مشینری کی پوری حقیقت کو جانتا ہے، اس کے علاوہ کسی کو اس کا پورا علم ہے، نہ ہو ہی سکتا ہے۔ بنا بریں یہ مشینری اسی وقت اور اسی وقت تک صحیح کام کرے گی جب اسے اس کے بنانے والے کی ہدایات کے مطابق استعمال کیا جائے گا اور جب بھی ان ہدایات سے انحراف کیا جائے گا یہ مشینری انسانی معاشرے کے لیے نقصان دہ ثابت ہوگی۔ اس مشینری کے خالق نے یہ ہدایات آسمانی صحیفوں اور اپنے نمائندے رسولوں کے ذریعے سے عام انسانوں تک پہنچا دی ہیں۔ اسی لیے اس نے قرآنِ مجید کے ایک ہی مقام پر، سورۃ المائدہ میں فرمایا:

﴿ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ○ ... فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ○ ... فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ○ ﴾ [المائدة: ٥/ ٤٤، ٤٥، ٤٧]

''جو اللہ کی نازل کردہ باتوں کے ساتھ فیصلہ نہیں کرتے، وہ کافر ہیں، وہ ظالم ہیں، وہ فاسق ہیں۔''

اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ ہدایات سے انحراف کرنے والوں کے لیے اتنی سخت وعید کیوں؟ اس لیے کہ انسانی مشینری کو غلط طریقے سے استعمال کرنے سے انسانوں کو فائدے کے بجائے سخت نقصان ہوگا۔ معاشرے میں امن وسکون قائم نہیں ہوسکے گا، انسان آرام وراحت کی نیند نہیں سوسکیں گے۔ انسانوں کے جان ومال اور عزت وآبرو کا تحفظ نہیں ہوسکے گا۔ بالخصوص جرائم کا قلع قمع اللہ تعالیٰ کی بتلائی ہوئی حدود کو قائم ونافذ کیے بغیر ممکن ہی نہیں۔ اور جرائم کی کثرت ہی انسانوں کے

امن وسکون کو غارت کرتی ہے۔

دو معاشرے، دو مثالیں:

آج اس گئے گزرے دور میں بھی، اس بات کو سمجھنے کے لیے، ہمارے سامنے دو مثالیں موجود ہیں۔ ایک مثال اس معاشرے کی ہے جہاں بہت حد تک اللہ تعالیٰ کی بتلائی ہوئی اسلامی سزائیں (حدیں) قائم ونافذ ہیں اور دوسری مثال ان معاشروں کی ہیں جہاں حدودِ الٰہی نافذ نہیں ہیں۔ پہلی مثال سعودی معاشرے کی ہے جہاں اسلامی حدود کی برکات کا یہ نتیجہ ہے کہ وہاں جرائم برائے نام ہیں۔ لوگ نہایت امن وسکون کی زندگی گزار رہے ہیں، کسی کو جان ومال، یا عزت وآبرو کی پامالی کا خطرہ نہیں ہے۔ دوسری قسم کے معاشرے مغربی یا ان کی نقالی میں اسلامی حدود سے گریز کرنے والے مسلمان ملکوں کے معاشرے ہیں جہاں امن وسکون عنقا ہیں۔ کسی امیر، غریب کی جان ومال اور عزت وآبرو محفوظ نہیں۔

﴿ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَ هُوَ شَهِیْدٌ ﴾ [ق: ۵۰/۳۷]

''بلاشبہ اس میں اس شخص کے لیے نصیحت ہے جس کا (خاص) دل ہے یا وہ (دل ودماغ کی) حاضری کے ساتھ کان لگائے (اور توجہ سے سنے۔)''

اسلامی سزائیں انسان کی پانچوں اہم اشیاء کی حفاظت کی ضامن ہیں:

علماء نے لکھا ہے کہ انسان کی پانچ چیزیں ایسی ہیں کہ ان کی حفاظت نہایت ضروری ہے، اور وہ ہیں:

① ...... دین وایمان یا عقیدہ، ② ...... عقل، ③ ...... جان، ④ ...... مال، ⑤ ...... عزت وآبرو۔

اسلامی حدیں، بشرطیکہ انھیں خلوصِ دل سے نافذ کیا جائے، مذکورہ پانچوں چیزوں کی حفاظت کی ضامن ہیں۔

① ...... دین وایمان یا عقیدے کے تحفظ کے لیے ارتداد کی سزا یا حد ہے جو قتل ہے۔ نبی ﷺ کا فرمان ہے:

'' مَنْ بَدَّلَ دِیْنَهٗ فَاقْتُلُوْهُ ۔'' [صحیح البخاری، الجهاد والسیر، حدیث: ۳۰۱۷]

''جو دین اسلام سے پھر جائے، اسے قتل کر دو۔''

یہ سزائے قتل، ایک مسلمان کے دین وایمان کے تحفظ کے لیے ہے۔

② ...... شراب نوشی پر کوڑوں کی سزا یا حد ہے، اس کا مقصد عقل کا تحفظ ہے۔ اور اسی شراب میں ہر نشہ آور مشروب یا چیز شامل ہے، کیوں کہ شراب کی طرح ہر نشہ آور چیز انسانی عقل کو ماؤف کر دیتی ہے۔

③ ...... اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَ لَكُمْ فِی الْقِصَاصِ حَیٰوةٌ یّٰۤاُولِی الْاَلْبَابِ ﴾

[البقرة: ۲/۱۷۹]

''اے اصحابِ دانش! تمہارے لیے قصاص میں زندگی ہے۔''

یعنی اگر کوئی کسی کو ناجائز قتل کر دے، تو بدلے کے طور پر اس قاتل کو بھی قتل کر دیا جائے، اس کا نام قصاص ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو انسانی زندگیوں کے لیے ضمانت قرار دے رہا ہے اور یہ سو فی صد سچ ہے۔ اس لیے کہ اگر مجرم کو یہ پتا ہو کہ میں نے اگر کسی کو قتل کیا تو مجھے بھی اپنی جان سے ہاتھ دھونے پڑیں گے۔ یہ خوف مجرمانہ ذہنیت رکھنے والوں کے لیے بڑا اہم اور نہایت کارگر ہے۔ جس معاشرے میں یہ قانونِ قصاص صحیح معنوں میں نافذ ہو، وہ معاشرہ قتل وغارت گری کی وبائے عام سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ یوں گویا قصاص جان کی حفاظت کا ضامن ہے۔

④ ...... چوری اور ڈکیتی کی اسلامی سزائیں، مال کی حفاظت کی ضامن ہیں۔

⑤ ...... اسی طرح عزت وآبرو کی حفاظت کے لیے، جو ایک ایمان دار اور غیرت مند معاشرے میں بڑی اہمیت کی حامل ہوتی ہے۔ زنا اور تہمت زنا (قذف) کی سزائیں مقرر کی گئی ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اسلامی سزاؤں کے نفاذ کے بغیر دنیا میں کہیں بھی امن قائم نہیں ہوسکتا۔ [جاری ہے]



اسلامی بینکاری کی حقیقت!

حافظ ذوالفقار علی شیخ الحدیث ابو ہریرہؓ شریعہ کالج لاہور

گزشتہ چند سالوں کے دوران اسلامی بینک کاری نے غیر معمولی ترقی کی ہے اس وقت دنیا کے تقریباً ۷۵ ممالک میں اسلامی بینک کام کر رہے ہیں ان میں بعض غیر مسلم ممالک بھی شامل ہیں۔صرف پاکستان میں مختلف بینکوں کی دوسو سے زائد برانچوں میں اسلامی بینکاری کے نام پر کام ہو رہا ہے۔ان میں سے بعض بینک تو مکمل طور پر اسلامی بینک کہلاتے ہیں جیسے میزان بینک ،البرکہ بینک ،بینک اسلامی پاکستان اور دبئی اسلامی بینک وغیرہ۔جبکہ بعض بنیادی طور پر تو سودی ہیں مگر ان میں اسلامی بینکاری کا شعبہ بھی قائم ہے اسلامی بینکاری کے حامی یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ نظام نہ صرف کامیابی سے چل رہا ہے بلکہ تیز رفتاری سے ترقی کی منازل طے کر رہا ہے۔اور سرمایہ کاروں کی بڑی تعداد اس جانب راغب ہو رہی ہے۔عام لوگوں کا اعتماد بھی بڑھ رہا ہے۔

جب کہ دوسری طرف علوم دینیہ کے ماہر علماء کی غالب اکثریت کے نزدیک یہ ایک مشکوک معاملہ ہے۔بلکہ بعض حضرات تو اسکو اسلام کے نام پر دھوکہ اور فراڈ قرار دیتے ہیں ان کی رائے میں یہ اصل میں سراسر سودی نظام ہے کیونکہ عملاً دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے سوائے اسکے کہ اسلامی بینک شرعی اصطلاحات مرابحہ،اجارہ اور مشارکہ وغیرہ استعمال کرتے ہیں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اسلامی بینکاری ایک سازش ہے جس کا مقصد ان لوگوں کی دولت سے فائدہ اٹھانا ہے جو سود سے نفرت کرتے ہیں اور وہ اپنے اس عقیدہ کی بنیاد پر روایتی بینکوں کے ساتھ کوئی معاملہ کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔

اسلامی بینکوں پر تنقید کا سبب:

ہمارے خیال میں اسلامی بینکنگ پر ہونے والی اس تنقید کے پیچھے یہ سوچ ہرگز نہیں ہے کہ ہماری معیشت کے لیے سودی نظام ناگزیر ہے یا اس جدید دور میں شرعی احکام قابلِ عمل نہیں رہے نعوذ باللہ من ذلک بلکہ یہ شکوک وشبہات خود اسلامی بینک کاری کی عملی تطبیق کے پیدا کردہ ہیں۔ذیل میں اس کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں۔

① ...... اسلامی بینکوں میں رائج معاملات جیسے اجارہ ،مشارکہ متناقصہ وغیرہ سے بینک کی اصل غرض لوگوں کی مالی ضرورتیں پوری کر کے فائدہ اٹھانا ہے۔حقیقی اجارہ یا شراکت کا ارادہ نہیں ہوتا۔جہاں اجارہ اور شراکت کے نام پر صرف تمویل کے ذریعے فائدہ حاصل کرنا مقصود ہو وہ معاملہ جائز نہیں ہوتا کیونکہ معاملات میں مقصد کو دیکھا جاتا ہے نہ کہ الفاظ کو چنانچہ نبی ﷺ کا فرمان ہے:

إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ ، وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِءٍ مَا نَوٰى۔

[صحيح بخارى : باب كيف كان بدء الوحى]

''اعمال نیتوں پر موقوف ہیں اور ہر شخص کے لیے وہی ہوگا جس کی اس نے نیت کی۔''

قانونِ اسلامی کا معروف قاعدہ ہے:

العبرة فى العقود للمقاصدوالمعانى لا للالفاظ

''عقود میں مقاصد اور معانی کا خیال رکھا جاتا ہے نہ کہ الفاظ کا۔''

اسلامی بینکاری کے معروف سکالر ڈاکٹر رفیق یونس مصری لکھتے ہیں:

لو ان هذين الاثنين اللذين اشتركا فى ملكية العقار اتفقا منذ الاشتراك فى العقار علىٰ ان يسدد احدهما اقساطا محددة،يصبح مالكا بعد ها للعقار كله ،سواء كان خلال المدة مستاجرا لحصة شريكه او غير مستاجر لها ،فان هذا بنظر ى غير جائز ۔وكذلك لو اتفقا قبل الدخول فى

شرکة العقار ان یبیع احدھما للاخر حصته بیع تقسیط فھذا غیر جائز لا لان بیع التقسیط غیر جائز بل لانه شارکه علیٰ ان یبیعه فعرف ان المراد لیس ھو الشرکة ولا البیع ولاالایجار انما المراد ھو التمویل ،ودخول البیع والا یجار علیه انما الغرض ھو الوصول الیٰ فائدة من وراء ھذا التمویل۔ [المصارف الاسلامیه: ص ٤١]

’’اگر یہ دونوں جو رئیل پراپرٹی کی ملکیت میں شراکت دار ہیں شروع ہی سے اس بات پر اتفاق کرلیں کہ ان میں سے ایک متعینہ اقساط ادا کر کے مکمل پراپرٹی کا مالک بن جائے گا خواہ دورانِ مدت شریک کے حصے کا کرایہ ادا کرے یا نہ،تو میری نظر میں یہ معاملہ جائز نہیں۔اسی طرح اگر یہ دونوں رئیل پراپرٹی کی شراکت میں داخل ہونے سے پہلے اس پر متفق ہو جائیں کہ ان میں سے ایک اپنا حصہ قسطوں میں دوسرے کو بیچ دے گا یہ بھی جائز نہیں اس لیے نہیں کہ بیع قسط جائز نہیں بلکہ اس لیے کہ اس نے اس شرط پر شراکت داری کی ہے کہ وہ اپنا حصہ اسے فروخت کردے گا تو اس سے معلوم ہوا کہ شرکت،بیع اور اجارہ مقصود نہیں بلکہ مقصود تمویل ہے بیع اور اجارہ کو اس پر داخل کرنے کی غرض اس تمویل کے پردے میں فائدہ حاصل کرنا ہے۔‘‘

④......اسلامی بینک مرابحہ اور اجارہ وغیرہ جو اپنی اصل کے اعتبار سے طریقہ ہائے تمویل نہیں ہیں کیوں کہ تمویلی سرگرمیوں کے لیے استعمال کرتے وقت اپنے نفع کا تعین شرح سود کے مطابق کرتے ہیں چنانچہ جامعہ دارالعلوم کراچی کے استاد اور اسلامی بینکاری کے سرگرم حامی جناب مولانا ڈاکٹر اعجاز احمد صمدانی لکھتے ہیں۔

’’چوتھا مسئلہ یہ ہے کہ موجودہ حالات میں اسلامی بینک عام طور پر مروجہ بینکوں کے باہمی شرح سود کو معیار(Bench Mark) کے طور پر استعمال کرکے اپنے نفع یا کرایہ کا تعین کرتے ہیں جیسے پاکستان میں کائبور Kibor (Karachi inter bank offered rate سود کی وہ شرح جس پر کراچی کے بینک ایک دوسرے سے لین دین کرتے ہیں۔) کو معیار بنایا جاتا ہے اس پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ ایسا کرنا جائز نہیں۔[اسلامی بینکاری،ایک حقیقت پسندانہ جائزہ:ص۵۲]

مولانا موصوف نے اس کو جواز بخشنے کے لیے جو تاویل کی ہے اس پر وہ خود بھی مطمئن نہیں یہی وجہ ہے کہ ایک صفحہ بعد ہی ’’متبادل کی تلاش بھی کرنی چاہیے‘‘ کا عنوان باندھ دیا ہے۔دوسری جگہ مرابحہ میں نفع کو کائبور کے ساتھ مربوط کرنے کے حوالے سے لکھتے ہیں:

’’اس صورت میں اس اعتبار سے تو عقد درست ہو جاتا ہے کہ بیچی گئی چیز کی قیمت متعین ہو جاتی ہے لیکن اس اعتبار سے اس میں ناپسندیدگی کا عنصر شامل ہو جاتا ہے کہ اس میں ایک شرح سود کو بطورِ بینچ مارک استعمال کیا گیا ہے۔اس لیے اسلامی بینکوں کو چاہیے کہ کوئی اسلامی بینچ مارک تشکیل دیں تاکہ اس ناپسندیدگی کے عنصر کا بھی خاتمہ ہو سکے۔‘‘

[اسلامی بینکاری اور غرر:ص۵۶]

صمدانی صاحب کے استادِ گرامی مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب جو متعدد اسلامی بینکوں کی شرعی رہنمائی کا فرض سرانجام دے رہے ہیں روزنامہ امت کو انٹرویو دیتے ہوئے ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

’’مثالی نظام مشارکہ اور مضاربہ معاشی انصاف فراہم کرسکتا ہے وہ وقت ابھی دور ہے کیونکہ مشارکہ اور مضاربہ کا استعمال Assests سائڈ پر بہت کم ہوتا ہے اور استعمال کم ہونے کی بنیاد پر Investment کم ہے لہٰذا اس کی جگہ ثانوی نوعیت کی پراڈکٹ اجارہ،مرابحہ Musharaika,Diminishing وغیرہ استعمال کرتے ہیں۔ان میں مشکل یہ ہے کہ Bench mark وہی رہتا ہے جو سودی نظام میں ہے۔اس کے معانی یہ ہیں کہ آپ کو روپیہ ادھار دینے کی بجائے کتاب بیچ دی کہ چھ مہینے بعد دینا۔کتاب بیچی لیکن نفع Fix کر دیا اور ایک مخصوص مدت بعد وصولنے کا معاہدہ کرلیا۔اس منافع کمانے کا بینچ مارک وہی ہے جو سودی نظام کا ہے اس لیے اسلامی نظام کے معاشرے پر جو اثرات ہونے چاہیے تھے وہ ابھی تک نہیں ہو رہے۔‘‘

[روزنامہ امت:۴دسمبر۲۰۰۵ء ص۵،۷]

حضرت مفتی صاحب بجا فرماتے ہیں کہ اجارہ، مرابحہ ثانوی نوعیت کے پراڈکٹ ہیں اور معاشرے پر ان کے وہ اثرات بھی مرتب نہیں ہو رہے جو اسلامی نظام کے ہونے چاہیں۔تو کیا ہم یہ پوچھنے کی جسارت کر سکتے ہیں کہ پھر اس کو وقت کی ضرورت قرار دے کر فتووں کے ذریعے اسلامی ثابت کرنے کی کوشش کیوں کی جا رہی ہے؟

③......اسلامی بینکوں کا طریقہ کار بھی سودی بینکوں جیسا ہے مثلاً آپ سودی بینک کے ساتھ لیز پر گاڑی لینے کا معاملہ کرتے ہیں تو بینک بکنگ کے لیے رقم جمع کروانے کی تاریخ سے ہی اپنا کرایہ وصول کرنا شروع کر دے گا خواہ آپ کو گاڑی تین ماہ بعد ملے۔کیوں؟

اس لیے کہ سودی نظام کا تقاضا ہے کہ جو رقم بینک کے کھاتے سے نکل گئی ہے بینک کو اس کا سود وصول ہو۔کلائنٹ کو گاڑی کب ملتی ہے بینک کو اس سے غرض نہیں۔اسلامی بینکوں میں رائج اجارہ میں بھی یہی ہوتا ہے مگر اس ترمیم کے ساتھ کہ اسلامی بینک ان تین ماہ کا کرایہ گاڑی ملنے کے بعد اس طرح وصول کرتا ہے کہ یا تو اس کو تمام اقساط میں ایڈجسٹ کر دیتا ہے یا پہلی قسط زیادہ رکھ کر یکمشت وصول کر لیا جاتا ہے۔ثبوت کے لیے دیکھیے ماہر اسلامی بینکاری جناب محمد ایوب کی کتاب Undre standing Islamic Finance صفحہ ۲۹۶

اسلامی بینک ان تین ماہ کا کرایہ سودی طریقہ کار کے تحت ہی لیتا ہے۔

④......سودی بینکوں کی طرح اسلامی بینک بھی ادائیگی میں تاخیر پر جرمانہ کرتے ہیں جو کہ اسلامی بینک کے زیرِ نگرانی قائم خیراتی فنڈ میں جمع کروایا جاتا ہے۔یہاں بھی سودی فارمولا اختیار کیا جاتا ہے کہ ایک تو جرمانہ واجب الادا رقم کے تناسب سے عائد کیا جاتا ہے اور دوسرا تاخیر کی مدت بڑھنے کے ساتھ جرمانہ کی رقم میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔حالانکہ قرآن وحدیث میں تاخیر پر جرمانہ کا تصور موجود نہیں اور نہ ہی فقہاء اس کی اجازت دیتے ہیں۔امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لا یحل ذنب من الذنوب مال انسان وان قتل نفسا۔ [الطرق الحکمیہ: ص۲۴۷]

’’قتل سمیت کوئی گناہ انسان کے مال کو حلال نہیں کرتا۔‘‘

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

انما العقوبة فی الابدان لا فی الاموال۔ [سنن بیھقی: باب ما یستدل به علیٰ ترك تضعیف الغرامة: ص۲۸۸]

’’سزا صرف جسمانی ہے نہ کہ مالی۔‘‘

فقہ حنبلی کی معروف کتاب المغنی میں ہے:

والتعزیر یکون بالضرب والحبس والتوبیخ ولا یجوز قطع شیء منه ولا جرحه ولااخذ ماله لان الشرع لم یرد بشیء من ذلك عن احد یقتدی به۔

[ج۲۰ ص۳۶۹]

’’تعزیر مارنے، قید کرنے اور ڈانٹ ڈپٹ کے ذریعے ہوتی ہے اس کا کوئی حصہ کاٹنا یا اسے زخمی کرنا یا اس کا مال لینا جائز نہیں کیونکہ جن لوگوں کی اقتداء کی جاتی ہے ان کے حوالے سے شریعت میں اس طرح کی کوئی چیز بیان نہیں ہوئی۔‘‘

فقہاء حنفیہ کے نزدیک بھی مالی جرمانہ جائز نہیں۔چنانچہ علامہ ابن نجیم حنفی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

والحاصل ان المذهب عدم التعزیر بأخذ المال۔

[البحر الرائق شرح کنز الدقائق: فصل فی التعزیر ج۱۳ ص۱۶۸]

’’خلاصہ کلام یہ ہے کہ حنفی مذہب کے مطابق مال لے کر تعزیری سزا جائز نہیں۔‘‘

فتاویٰ دار العلوم دیو بند میں درمختار کے حوالے سے لکھا ہے:

لا یاخذ المال فی المذهب۔

[فتاویٰ دار العلوم ج۱۲ ص۲۵۲]

’’حنفی مذہب کے مطابق مالی جرمانہ درست نہیں۔‘‘

نیز اسی صفحہ کے آخر میں ہے کہ جرمانہ مالی شرعاً درست نہیں۔

اسلامی بینکوں کے بعض حامی جرمانہ کے حق میں امام خطاب رحمہ اللہ کے اس قول سے استدلال کرتے ہیں:

اما اذا التزم المدعی علیه للمدعی انه ان لم یوفه حقه فی وقت کذا وکذا فله علیه کذا وکذا فهذا

لا یختلف فی بطلانه لانه صریح الربا......الی قوله واما اذا التزم انه ان لم یوفه حقه فی وقت کذا فعلیه کذالفلان او صدقة للمساکین فهذا هو محل الخلاف۔ [اسلام اور جدید معیشت وتجارت:ص١٤٥ از تقی عثمانی بحواله تحریر الکلام فی مسائل الالتزام]

''جب مدعیٰ علیہ مدعی کے لیے اپنے اوپر یہ لازم کرلے کہ اگر وہ اس کا فلاں وقت پر حق ادا نہیں کرے گا تو وہ اس کو اتنی رقم ادا کرے گا تو اس کے باطل ہونے میں کوئی اختلاف نہیں کیونکہ یہ صریح سود ہے اور جب یہ پابندی عائد کرلے کہ فلاں وقت اس کا حق ادا نہ کیا تو میں اتنے پیسے فلاں کو دوں گا یا مساکین پر صدقہ کروں گا تو اس کے جواز میں (قضاء) اختلاف ہے''

اگر غور کیا جائے تو امام خطاب کے اس قول سے اسلامی بینکوں میں رائج مالی جرمانہ کا جواز ثابت نہیں ہوتا۔

①......ایک تو اس لیے کہ اسلامی بینکوں میں تاخیر پر جو جرمانہ وصول کیا جاتا ہے وہ واجب الادا رقم کے تناسب سے ہوتا ہے اور مدت بڑھنے کے ساتھ ساتھ اس میں اضافہ بھی ہوتا جاتا ہے جبکہ امام خطاب کا یہ منشا قطعاً نہیں ہے۔

②......دوسرا اس لیے کہ امام خطاب نے یہ نہیں فرمایا کہ وہ یہ کہے کہ میں اتنی رقم قرض خواہ کو دوں گا یا اس کی وساطت سے صدقہ کروں گا بلکہ انہوں نے تو فرمایا ہے کہ مدیون یہ کہے کہ میں اتنی رقم فلاں کو یعنی کسی دوسرے کو دوں گا یا مساکین پر صدقہ کروں گا اسلامی بینکوں میں یہ شرط ہوتی ہے کہ وہ اتنا جرمانہ بینک کے زیرنگرانی قائم خیراتی فنڈ میں جمع کروائے گا۔

③......تیسرا اس لیے کہ امام خطاب نے التزام کا لفظ بولا ہے جس کا مطلب ہے کہ مدیون اپنے ذمہ یہ لے نہ کہ دوسرا شخص یہ شرط لگائے۔اس کے برعکس اسلامی بینکوں میں بینک کی طرف سے یہ شرط ہوتی ہے۔اسلامی بینکاری کے حامی کہتے ہیں کہ ٹھیک ہے شریعت میں تاخیر پر جرمانہ درست نہیں مگر چونکہ اس سے بینک کی آمدن میں اضافہ نہیں ہوتا اس لیے یہ جائز ہے۔اس کا جواب یہ ہے کہ بے شک بینک کی آمدن میں اضافہ نہیں ہوتا مگر مدیون کی جیب سے تو اتنی رقم نکل جاتی ہے شریعت کا یہ منشا تو ہرگز نہیں کہ قرض خواہ کی آمدن میں اضافہ ہو تو جرمانہ ناجائز ہے ورنہ جائز۔اوپر فقہاء کے حوالے سے جو عبارتیں ہم نے نقل کی ہیں وہ بھی اس تاویل کو قبول کرنے سے اباء کررہی ہیں۔

⑤......سودی بینکوں کی طرح اسلامی بینک بھی Non Risk ہیں۔اس کی واضح مثال یہ ہے کہ جب کوئی اسلامی بینک کے ساتھ مرابحہ یا اجارہ کا معاملہ کرنے جاتا ہے تو بینک اس سے اچھی خاصی رقم جو عام طور پر مطلوبہ چیز کی قیمت کا دس فیصد ہوتی ہے ٹوکن منی (حامش جدیہ) کے نام سے وصول کرتا ہے تاکہ اگر بعد میں وہ شخص چیز لینے سے انکار کردے اور بینک کو وہ چیز دوسری جگہ قیمت لاگت سے کم پر فروخت کرنی پڑے تو بینک اس ٹوکن منی سے اپنا نقصان پورا کرسکے۔سوال پیدا ہوتا ہے کیا اسلامی بینکوں کے نزدیک یہ خطرہ مول لینا رسک میں شامل نہیں؟ممکن ہے اسلامی بینکنگ کے محققین فرمائیں کہ ہمارے نزدیک اس قسم کے خطرے میں پڑنا رسک میں شامل نہیں اس پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر دوسری جگہ بیچنے پر بینک کو فائدہ ہو کیا وہ یہ نفع خریداری کا آڈر دینے والے شخص کو دینے کے لیے تیار ہے؟ ظاہر ہے بینک اس پر تیار نہیں ہوگا۔اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب بینک نقصان اٹھانے کے لیے تیار نہیں تو نفع کس بنیاد پر لیتا ہے؟

اسلامی بینکاری کے حامیوں کا نقطہ نظر یہ ہے کہ بینک چونکہ تجارتی ادارہ نہیں اس لیے بینک کے لیے اس طرح کا خطرہ مول لینا ممکن نہیں اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تو ان لوگوں کے موقف کی تائید ہے جو کہتے ہیں کہ بینک صرف کاغذوں کی حد تک کاروبار کرتا ہے عملاً اس کا کاروبار سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

اسلامی بینکنگ کے حامی جس کو رسک قرار دیتے ہیں وہاں بھی بینک خود کو انشورنس کے ذریعے محفوظ رکھتا ہے اور انشورنس کی رقم بھی لاگت میں شمار کرکے کلائنٹ سے وصول کرلیتا ہے۔یعنی رسک کی ساری ذمہ داری کلائنٹ کی ہے۔اسلام میں حقیقی رسک اٹھائے بغیر نفع لینے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ [جاری ہے]



حافظ ابوبشر الدولابی رحمہ اللہ

محمد خبیب احمد، ادارہ علوم اثریہ فیصل آباد

حافظ ابوبشر کے ایک وہم کی نشان دہی:

وہم ایک ایسا عنصر ہے جس سے کسی انسان کو مفر نہیں ہے۔مگر جب اس کا نتیجہ یا اثر غلط نکلے تو اس کی توضیح بالخصوص فرامین نبویہ میں ضروری ہی نہیں بلکہ واجب ہوجاتی ہے۔اس کی تفصیل یہ ہے کہ حافظ دولابی اپنی کتاب ''جزء من حدیث الثوری'' میں فرماتے ہیں:

" حدثنا محمد بن البشار حدثنا عبد الرحمن بن مهدی عن سفیان عن ابی هاشم عن عاصم بن لقیط عن أبیه عن النبی ﷺ قال: ((إذا توضأت فأبلغ فی المضمضة والاستنشاق مالم تکن صائما)) [حدیث الثوری، بحواله بیان الوهم والایهام، ج:٥، ص:٥٩٣]

''لقیط بن صبرة روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جب آپ وضو کریں تو کلی اور ناک میں پانی چڑھانے میں مبالغہ کریں، جب کہ آپ روزے کی حالت میں نہ ہوں۔''

حافظ ابن القطان ٦٢٨ھ فرماتے ہیں:

" هذا صحیح، وترك منها زیادة ذکرها الثوری فی روایة عبد الرحمن بن مهدی عنه، وهی الأمر بالمبالغة ایضاً فی المضمضة ۔ وابن مهدی احفظ من وکیع واجل قدراً ۔" [بیان الوهم والایهام، ج:٥، ص:٥٩٢،٥٩٣]

''حافظ ابن قطان فرماتے ہیں یہ حدیث صحیح ہے۔اور اس (وکیع) نے ایک اضافے کو چھوڑ دیا ہے جسے عبدالرحمٰن بن مہدی نے سفیان ثوری سے روایت کرتے ہوئے ذکر کیا ہے اور وہ اضافہ استنشاق کی طرح کلی کرنے میں بھی مبالغے کا حکم ہے۔(عبدالرحمٰن) بن مہدی وکیع سے زیادہ حافظ اور جلیل القدر ہیں۔''

حافظ ابن قطان کے ہاں ثقہ راوی کی زیادتی اور تفرد صحت حدیث کے لیے نقصان دہ نہیں ہے۔مگر جب یہ بہ کثرت ہو تو اس وقت وہ راوی منکر الحدیث ہونے کی وجہ سے ضعیف ہوجائے گا۔[دراسة بیان الوهم والایهام للدکتور حسین آیت سعید، ج:١، ص:٢٧٢، ٢٧٣۔ علم علل الحدیث من خلال کتاب بیان الوهم والایهام للاستاذ ابراهیم بن الصدیق، ج:٢، ص:١٤٥۔١٦١]

اس لیے اسی بنا پر حافظ ابن قطان نے ابن مہدی کے تفرد اور اضافہ کو قبول کیا ہے اور اس حدیث کی تصحیح بھی کی ہے۔مگر حافظ ابن قطان کا اس اضافے کا سبب ابن مہدی کو قرار دینا قرین صواب نہیں ہے۔کیوں کہ الفاظ کی یہ زیادتی حافظ ابو بشر کا وہم ہے جس کی تفصیل آئندہ آرہی ہے۔اس روایت میں ابن مہدی کے شاگرد محمد بن بشار سے اس کی توقع نہیں کی جاسکتی۔کیوں کہ وہ ثقہ اور کتب ستہ کے راوی ہیں۔ [التقریب:٥٧٥٤]

پھر اس سے بڑھ کر یہ کتب ستہ کے مشہور محدثین کے استاد بھی ہیں۔ [المعجم المشتمل لابن، ص:٢٢٨]

پھر یزید بن سنان ثقہ [التقریب:٨٧٠٣] نے طحاوی [مشکل الآثار، ج:١٤،ص:٤١] کے ہاں اس کی متابعت بھی کی ہے۔

باقی رہا حافظ ابن قطان کا مطلق طور پر ابن مہدی کو وکیع سے احفظ

اور عظیم الشان مرتبہ پر فائز قرار دینا تو وہ بالکل صحیح ہے۔
ابن مہدی ثقہ ثبت حافظ عارف بالرجال والحدیث اور کتب ستہ کے راوی ہیں۔ [التقریب:٤٤٩٧]
جب کہ ان کے مدمقابل امام وکیع بن جراح ثقہ حافظ عابد اور کتب ستہ کے راوی ہیں۔ [التقریب:٨٣٤٨]
مگر امام سفیان ثوری سے روایت کرنے میں یہ دونوں قریب قریب ہیں۔ اگر چہ کچھ محدثین نے ابن مہدی کو فوقیت عطا کی ہے۔
امام یحییٰ بن معین اور امام علی بن مدینی نے سفیان ثوری سے روایت کرنے میں ابن مہدی کو مقدم کیا ہے۔ [الجرح والتعدیل، ج:٧، ص:٦٢، ترجمہ:٣٥٣]
جب کہ ابن معین نے ہی ایک دوسری روایت میں وکیع کو مقدم کیا ہے۔ [تاریخ عثمان بن سعید الدارمی عن ابن معین، ص:٦١، رقم:٩١، المعرفة والتاریخ، ج:٢، ص:١٧٠]
امام احمد نے وکیع کی روایت کو مقدم کیا ہے۔ [العلل بروایة المروزی، ترجمہ:٥٢]
مگر جب ان سے دریافت کیا گیا کہ جب وکیع اور ابن مہدی کا باہمی اختلاف ہوجائے تو آپ کس کی روایت لیتے ہیں؟ فرمایا: سفیان ثوری سے روایت کرنے میں ہم ابن مہدی کو دوسرے رواۃ کے موافق پاتے ہیں۔ [المعرفة والتاریخ، ج:٢، ص:١٧٠]
اس روایت میں بھی ابن مہدی نے دوسرے رواۃ کی مخالفت نہیں کی ہے۔ جس کی آئندہ دلیل آرہی ہے۔ اس اضافے کے بغیر وکیع بن جراح کی روایت ترمذی [٣٨]، نسائی [٨٧]، **السنن الکبریٰ** [ج:١، ص:٨٤، ح:٩٨ دوسرا نسخہ، ح:٩٩]، احمد [ج:٤، ص:٣٣]، **المستدرک** [ج:١، ص:١٨٢] میں ہے۔
پھر یہ سفیان ثوری سے اس اضافے کے بغیر روایت کرنے میں متفرد بھی نہیں بلکہ سفیان ثوری کے شاگردوں کی ایک جماعت نے ان کی متابعت کی ہے۔ اور اس جماعت میں امام ثوری کے خاص شاگرد بھی شامل ہیں۔

① ......**ابونعیم الفضل بن دکین**۔ [طبرانی، ج:١٩، ص:٢١٦، ح:٤٨٢۔ الاصابة، ج:٥، ص:١١، ترجمہ:٧٥٥٣۔ الامتاع لابن حجر، ص:٢٣٨۔ اسد الغابة، ج:٤، ص:٢٦٦]
امام ابوحاتم فرماتے ہیں:
"کان یأتی بحدیث الثوری عن لفظ واحدٍ، لا یغیره وکان لا یلقن، وکان حافظاً متقناً۔
[الجرح والتعدیل، ج:٧، ص:٦٢]
کہ "وہ ابونعیم (امام سفیان) ثوری کی حدیث ایک ہی لفظ سے بیان کرتے ہیں۔ اس میں تغیر اور تبدل نہیں کرتے۔ باوجود کہ وہ امام ثوری سے ساڑھے تین ہزار روایات بیان کرتے ہیں اور وہ تلقین (لقمہ) قبول نہیں کرتے وہ حافظ اور متقن ہیں۔"
② ......**محمد بن المثنی۔ ثقہ ثبت** [التقریب:٧٠٥٠۔ السنن الکبریٰ للنسائی، ج:١، ص:٨٤، ح:٩٨۔ دوسرا نسخہ، حدیث:٩٩]
③ ......**امام احمد۔ الامام الحافظ الحجة الثقة**۔ [الکامل لابن عدی، ج:١، ص:٩٣]
④ ......**امام عبدالرزاق صاحب المصنف**۔ [المصنف، ج:١، ص:٢٦، ح:٧٩]
⑤ ......**محمد بن یوسف الفریابی**۔ [ثقہ فاضل التقریب: ٧٢٢٨۔ الطبرانی، ج:١٩، ص:٢١٦، ح:٤٨٢۔ بیھقی، ج:٤، ص:٢٦١]
⑥ ......**عبداللہ بن عثمان الملقب عبدان ثقہ حافظ**۔ [التقریب: ٣٨٣٥۔ المحدث الفاصل بین الراوی والواعی للرامھرمزی، ص:٥٧٩]
⑦ ......**یحییٰ بن آدم ثقہ حافظ فاضل**۔ [التقریب: ٨٤٤٧۔ معجم الصحابة لابن قانع، ج:١٣، ص:٤٥٣٦]
⑧ ......**محمد بن کثیر العبدی ثقہ**۔ [التقریب:٧٠٣٨۔ المستدرك، ج:١، ص:١٤٧، ١٤٨۔ بیھقی، ج:١، ص:٥٠]
سفیان ثوری بھی اسماعیل بن کثیر ابوہاشم سے روایت کرنے میں

متفرد نہیں ہیں۔ بلکہ ابو ہاشم کے شاگردوں کی ایک جماعت نے ان کی متابعت کی ہے۔

①......ابن جریج ثقہ فقیہ فاضل۔ [التقریب: ٤٦٩٥۔ عبدالرزاق، ج:١، ص:٢٦، ٢٧، ح:٨٠۔ مسند احمد، ج:٤، ص:٣٣، ٢١١۔ الاوسط لابن المنذر، ج:١، ص:٣٧٦، ح:٣٥٦، ٣٥٧۔ تاریخ المدنية لابن شبة، ج:٢، ص:٥١٥، ٥١٦۔ دارمی، ج:١، ص:١٤٤، ح:٧١١۔ معرفة الصحابة لابی نعیم، ج:٥، ص:٢٤١٩، ٢٤٢٠، رقم:٥٩٢٠۔ طبرانی، ج:١٩، ص:٢١٥، ٢١٦، ح:٤٧٩۔ بیهقی، ج:١، ص:٥١، ٥٢۔ مشكل الآثار، ج:١٤، ص:٣١، ٣٢، ح:٥٤٢٦۔ المستدرك، ج:١، ص:١٤٨۔ موضح اوهام الجمع والتفريق للبغدادی، ج:٢، ص:٣٣٤، ٣٣٥]

②......یحییٰ بن سلیم صدوق سیئ الحفظ۔ [التقریب: ٨٥٢٠۔ ابوداود: ١٤٢، ١٤٣، ٢٣٦٦۔ ترمذی: ٧٨٨۔ نسائی: ٨٧۔ ابن ماجه: ٤٠٧۔ المصنف لابن ابی شيبة، ج:١، ص:٢٧٠١١۔ مسند الشافعی، ص:١٥ دوسرا نسخه، رقم:٨٠۔ صحيح ابن خزيمه، ج:١، ص:٧٨، ح:١٥٠، ج:١، ص:٨٧، ح:١٦٨۔ ابن حبان: ١٠٨٤۔ المنتقى لابن الجارود، ح:٨٠۔ الطهور لأبی عبيد السلام، رقم:٢٧٠۔ المستدرك، ج:٤، ص:١١٠۔ معجم الصحابة للبغوی، ج:٥، ص:١٧٣، ١٧٤، ح:٢٠٤٩۔ شرح السنة للبغوی، ج:١، ص:٤١٥، ٤١٧، ح:٢١٣۔ معرفة الصحابة لابی نعيم، ج:٥، ص:٢٤٢٠۔ بيهقی، ج:١، ص:٧٦، ج:٧، ص:٣٠٣۔ السنن الصغرىٰ له، ج:١، ص:٦٤، ٦٥، ح:٩٤۔ معرفة السنن والآثار له، ج:١، ص:١٦٥، ١٦٦، ح:٦٨۔ طبرانی، ج:١٩، ص:٢١٦، ح:٤٨٠۔ التمهيد لابن عبد البر، ج:١٨، ص:٢٢٣۔ الامتاع لابن حجر، ص:٢٣٥]

③......قرۃ بن خالد ثقہ ضابط۔ [التقریب: ٦٢٢٢۔ طبرانی، ج:١٩، ص:٢١٦، ٢١٧، ح:٤٨٣۔ المعجم الاوسط، ج:٨، ص:٢١٥، ٢١٦، ح:٧٤٤٢۔ معرفة الصحابة لابی نعيم، ج:٥، ص:٢٤٢٠۔ اسد الغابة، ج:٤، ص:٢٦٦]

④......داود بن عبدالرحمٰن عطار ثقہ۔ [التقریب: ١٩٦٩۔ المستدرك على الصحيحين، ج:١، ص:١٤٨]

⑤......الحسن بن ابوجعفر ضعیف الحدیث۔ [التقریب: ١٣٠١۔ مسند الطيالسی، رقم:١٣٤١، ص:١٩١۔ وترتيبه الفقهی، منحة المعبود، ج:١، ص:٥٢]

⑥......روح (بن عبادۃ بصری) ثقہ فاضل۔ [التقریب: ٢١٤٣۔ اسد الغابة، ج:٤، ص:٢٦٦۔ وقال ابن الاثير الجزری أخرجه ابن منده وابونعيم]

اسماعیل بن کثیر ابو ہاشم، عاصم بن لقیط سے روایت کرنے میں متفرد نہیں ہے بلکہ اسماعیل بن امیہ (ثقہ ثبت۔ التقریب: ٤٨٦) نے اس کی متابعت کی ہے۔ [معجم الصحابة لابن قانع، ج:١٣، ص:٤٥٣٦، ح:١٦٩٣]

قارئین کرام! آپ نے حضرت لقیط بن صبرۃ کی اس حدیث کی مختصر تخریج ملاحظہ فرمائی جس میں آپ نے مشاہدہ کیا ہے کہ اس سلسلے میں کوئی راوی بھی حافظ دولابی کی متابعت تامہ یا ناقصہ نہیں کر رہا۔

حافظ دولابی کے وہم کی دوسری وجہ یہ کہ اسے عبدالرحمٰن بن مہدی، جس کے بارے میں حافظ ابن قطان نے فرمایا کہ یہ وکیع سے احفظ اور جلیل القدر ہے اور الفاظ کا اضافہ اسی نے کیا ہے، نے اسے اس اضافے کے بغیر ہی روایت کیا ہے۔ [مسند احمد، ج:٤، ص:٣٣۔ مشكل الآثار الطحاوی، ج:١٤، ص:٣١، ح:٥٤٢٥]

یہاں امام احمد کا وہ قول صادق آتا ہے جس کا ذکر ہم پیچھے کر آئے ہیں کہ ''ہم سفیان ثوری سے روایت کرنے میں ابن مہدی کو دوسرے رواۃ کے مطابق پاتے ہیں۔''

اس لیے ابن قطان کا اس اضافے والی روایت کو صحیح کہنا محل نظر ہے اور علامہ ابن الملقن [البدر المنیر، ج:۲،ص:۱۲۸، ۱۲۹] اور حافظ زیلعی [نصب الرایہ، ج:۱،ص:۱۶] کا ان کی خاموش تائید کرنا بھی قابل غور ہے۔

پیچھے ہم نے وکیع بن جراح کی جتنی متابعتیں ذکر کی ہیں درحقیقت وہ ابن مہدی کی ہی تائید میں ہیں۔ کیوں کہ یہ اضافہ دولابی کا ہے ابن مہدی کا نہیں۔

حافظ دولابی بحیثیت امام جرح وتعدیل:

حافظ دولابی کا شمار ائمہ جرح وتعدیل میں سے ہوتا ہے اور اس سلسلے میں ان کی کتاب الضعفاء والمتروکین معروف ہے۔ جس سے ان کے بعد آنے والے محدثین نے بھرپور استفادہ کیا۔ جن میں امام مزی، امام ذہبی اور حافظ ابن حجر قابل ذکر ہیں۔ اور اس بات کی شہادت ان کی جرح وتعدیل پر مشتمل کتب تہذیب الکمال، میزان الاعتدال، لسان المیزان اور تہذیب التہذیب وغیرہ ہیں۔ حافظ ابن عدی نے الکامل فی ضعفاء الرجال میں حافظ دولابی سے براہِ راست استفادہ کیا ہے اور پچپیس کے قریب رواۃ کی تضعیف کی بابت ان کے اقوال نقل کیے ہیں۔ جس کی وضاحت دکتور زہیر عثمان علی نور نے الکامل کا دراستہ کرتے ہوئے کی ہے۔ [ابن عدی ومنهجه، ج:۲، ص:۱۸]

حافظ ذہبی نے انھیں ذکر من یعتمد قوله فی الجرح والتعدیل، ص:۱۸۹، رقم:٤٢٧ میں اور حافظ سخاوی نے المتکلمون فی الرجال، ص:۱۰۱، رقم:۸۵ اور الاعلان بالتوبیخ لمن ذم التاریخ، ص:۱٦۰ میں ذکر کیا ہے۔

ان کے علاوہ اور بھی محدثین نے ان کی تعریف وتوصیف فرمائی ہے۔ دیکھئے: تاریخ دمشق [ج:۵۱، ص:۲۹-۲۱]، المنتظم لابن الجوزی [ج:۱۳، ص:۲۱۳، ۲۱٤]، سیر اعلام النبلاء [ج:١٤، ص:۳۰۹]، المعین فی طبقات المحدثین للذهبی [رقم:۱۲۳۰]، البدایة والنهایة [ج:۱۱، ص:١٤٥]

❀❀.......❀.......❀❀

مولانا بہادر علی رحمہ اللہ فیروز پوری

مولانا محمد ابراہیم خلیل، حجرہ شاہ مقیم

اپنے ذوق جمع کتب وقدیمہ کے تحت کچھ رسائل تک رسائی ہوئی جو پنجابی نظم میں لکھے اور شائع کیے گئے ہیں۔ ان کے مؤلف کا اسم گرامی مولانا بہادر علی اور والد ماجد کا نام قلندر قوم راجپوت ہے۔ ضلع فیروز پور کے ایک گاؤں موضع شاہدین والا میں ۱۲۹۵ھ میں پیدا ہوئے۔ اسی موضع کے امام مسجد مولانا حاجی خیرالدین رحمہ اللہ سے تعلیم حاصل کی۔ مزید حالات سے اطلاع نہیں ہوئی۔ بقول مصنف انتیس سال تک اس گاؤں میں رہائش رہی اس کے بعد موضع بازید پور ضلع فیروز پور اور شہر فیروز پور میں سکونت رہی۔ کچھ عرصہ ضلع لائل پور نزد دتا ندلیاں والا کے چک ۱۷۷ میں گزارا۔ تاریخ وفات دستیاب نہیں ہوئی۔ پنجابی زبان کے عظیم شاعر تھے۔ ان کی جو تصانیف میری لائبریری میں موجود ہیں ان کے نام، سن اشاعت اور ضروری معلومات درج ذیل ہیں:

① ......(وفات نامہ) حضرت مریم علیہا الصلوٰۃ والسلام وحضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا۔ عنوان نام سے ظاہر ہے یہ کتاب ۱۴ ماہ رجب ۱۳۲۶ھ کو مطبع گولڈ سیری چھاؤنی فیروز پور سے طبع ہوئی۔ اس کے آخر پر مدرسہ فتح گڑھ پنجور تحصیل زیرہ کے اوّل مدرس مولانا محمد یوسف صاحب کی پنجابی نظم میں لکھی گئی تقریظ ہے۔

② ......(احوال المنافقین) یہ کتاب پنجابی نظم میں اسلامیہ سٹیم پریس لاہور سے ۱۳۳۸ھ میں طبع ہوئی۔ اس کتاب کا آخری شعر حاضر خدمت ہے۔

بہادر علی مسکین نمانا بھتیاں عیباں والا
تیئں در بخشش منگن آیا بخشیں پاک خدایا

[ص:۴۸]

③ ......(نصیحت عقوق الوالدین ورسالہ نافع النساء) ماں باپ کے حقوق اور خاوند وبیوی کے حقوق پنجابی نظم میں بیان کیے گئے ہیں۔ یہ کتاب مولوی عبدالحق کے اہتمام سے مطبع رفاہِ عام سٹیم پریس لاہور سے مؤرخہ یکم رجب ۱۳۴۲ھ میں طبع ہوئی۔ مصنف کا ایک شعر حاضر خدمت ہے:

بہادر علی در وحدت والا ہرگز مول نہ چھوڑیں
کل مراداں دین دنی دیاں مالک کو یوں لوڑیں

(الرسالہ نافع النساء) کا آخری شعر ملاحظہ کیجیے اور علمائے اسلام کی خدمت دین کا اندازہ کیجیے۔ [ص:۳۰]

اے بیٹی عورت کارن اتھیں چنگا عمل نہ کوئی
جو تابعداری خاوند باجھوں زاید نہ نیکی ہوئی

[ص:۳۲]

④ ......(فضائل سخاوت) انفاق فی سبیل اللہ کے عنوان پر مشتمل ہے۔ یہ رسالہ پنجابی اشعار میں لکھا ہوا ہے اور بابو نور الحق صاحب کے اہتمام سے لاہور کے مطبع رفاہِ عام میں ۱۳۴۲ھ ۸ شوال بروز سوموار بمطابق ۱۲ مئی ۱۹۲۴ء کو طباعت کے زیور سے آراستہ ہوئی۔

اے شوموں بدبختی چھوڑو ربّ دا حق اداؤ
جس دن موت آئی اس جگ توں روندے ہی ٹر جاؤ

⑤ ......(رسالہ احکام قربانی وفضیلت قربانی) اس کے ٹائٹل صفحہ پر یہ الفاظ لکھے ہوئے ہیں:

قال من کان لہ سعة فلم یضح فلیمت ان شاء یھودیا وان شاء نصرانیاً۔

یہ عمدہ ترین کتاب بابو نور الحق صاحب کے اہتمام سے مطبع رفاہِ

عام لاہور سے مؤرخہ رجب ۱۳۴۳ھ کو طبع ہوئی۔

ہمارے دیہاتی ماحول میں رواج ہے کہ لوگ قربانی کی کھالیں ائمہ مساجد کو دیتے ہیں خواہ وہ دولت مند ہوں، خواہ غریب۔

اس عنوان پر مولانا بہادر علی رحمہ اللہ نے بہت کچھ لکھا ہے اور زور دیا ہے کہ قربانی کی کھالیں مساکین کا حق ہیں۔ یہ حق ان تک پہنچنا چاہیے۔ ایک شعر یہ ہے:

سنو ملاں جی حق باتاں سن غصے مول نہ ہونا
حسے غصہ کرسیں لڑ لڑ مرسیں میرا کی تئیں کہونا

ان پانچ کتب کے علاوہ بعض کتب کے آخر پر دیگر تصانیف مصنف کا اشتہار دیا گیا ہے۔ [ص:۱۶]

جو درج ذیل ہیں: (۶) قصہ حضرت یونس، (۷) قصہ ملاں بدعتی جدید، (۸) مناجات، (۹) نصیحت الاخوان، (۱۰) سی حرفی، (۱۱) تحفہ مسافر۔ نیز وفات نامہ کے [ص:۲] پر ایک شعر میں ایک تصنیف کا ذکر کیا ہے۔

۱۲: احوال زمانہ تے ہو بھتی ، ۱۳: تردید تفسیر حلوائی
ان شاء اللہ شائع ہوسن جس دن فرصت ہوئی

وفات:

حافظ محمد لکھوی رحمہ اللہ کی تفسیر محمدی پنجابی کے ردّ میں غلام دستگیر قصوری بریلوی متوفی ۱۲۱۵ھ کے ایماء سے ان کے ایک شاگرد غلام نبی حلوائی لاہوری نے تفسیر لکھی تھی جس کا نام تفسیر نبوی رکھا گیا تھا۔ حافظ محمد رحمہ اللہ کے مختلف تلامذہ نے اس کی تردیدیں لکھی ہیں جس میں ایک کتاب مولانا بہادر علی صاحب نے لکھی تھی۔ وفات نامہ کے آخری صفحہ پر ان کی چند تصانیف کا اشتہار ہے جس میں اس کتاب کا مذکور ہے وہ اشتہار ملاحظہ کیجیے۔

اعلان: مصنف کی تصنیف شدہ کتابیں، نصیحت الاخوان، قصہ ملاں بدعتی جدید، وفات نامہ حضرت مریم علیہا السلام وحضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا یہ تو بفضلہٖ شائع ہوچکی ہیں۔ دیگر تردید تفسیر نبوی واحوالِ زمانہ کلاں شائع ہونے والی ہیں۔

المشتہر بہادر علی سکنہ شاہدین والا حال بازید پور ضلع فیروز پور



فہرست اردو کتب

مکتبہ محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی رحمہ اللہ

۱۷ء۲۹۷ فخر الدین رازی
را۲ف فاتحۃ العلوم، ص:۳۷۶، حمیدیہ سٹیم پریس لاہور ۱۹۰۷ء

۱۷ء۲۹۷ فضل الرحمٰن
ف۶۵ت تفسیر فضل الرحمٰن، ص:۳۴۱، ج:۱، ثنائی برقی پریس ہال بازار امرتسر۔س،ن

۱۷ء۲۹۷ سید فخر الحسن
ف۳۶ت التقدیر الحاوی فی حل تفسیر البیضاوی، ص:۱۱۶، مکتبہ فخریہ دیوبند۔س،ن

۱۷ء۲۹۷ فخر الدین رازی
را۲ت تفسیر کبیر کامل اردو، کرزن اسٹیم پریس دہلی ۱۳۹۰ھ

۱۷ء۲۹۷ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ
ا۱۲۳ت تفسیر آیت کریمہ، ص:۳۰۸، ایم اے عزیز اینڈ کمپنی لاہور ۱۹۲۸ء

۱۷ء۲۹۷ سید بشیر احمد
ش۵ت ترجمہ قرآن سورۃ فاتحہ یا بقرہ، ص:۸۴، رضیہ شریف ٹرسٹ شادمان کالونی لاہور ۱۹۹۰ء

۱۷ء۲۹۷ سید شبیر احمد
ش۵ت ترجمہ قرآن سورہ آل عمران وسورہ نساء، ص:۵۷، قرآن آسان تحریک لاہور ۱۹۹۲ء

۱۷ء۲۹۷ سید شبیر احمد
ش۵ت ترجمہ قرآن (پارہ عم)، ص:۴۲، قرآن آسان تحریک لاہور ۱۹۹۳ء

۱۷ء۲۹۷ عبدالرحمٰن بن محمد
ع۵ق قرآن مجید مترجم فاتحہ تا نساء، رحمانیہ منزل بلاک جی ڈیرہ غازی خان ۱۹۶۷ء

۱۷ء۲۹۷ مرزا خادم
خ۵ق تنویر القرآن منظوم، ص:۱۴۶، دارالاشاعت اِدارہ آئینہ ایام گوجرانوالہ ۱۹۸۸ء

۱۷ء۲۹۷ مفتی محمد حسین نعیمی
ن۵ق آسان ترجمہ پارہ اوّل، ص:۱۰۰، تدریس القرآن ٹرسٹ گوجرانوالہ ۱۹۷۳ء

۱۷ء۲۹۷ حافظ نذر احمد
ن۵ق سورۃ البقرہ عربی زبان کے بنیادی بیس سبق، ص:۲۸۰، مسلم اکادمی محمد نگر لاہور ۱۹۸۷ء

۱۷ء۲۹۷ احمد حسن صاحب
ا۵۲۷ت تفسیر آیات الاحکام، کلام رب الانام، ص:۴۱۹، فتح پرنٹنگ ورکس دہلی ۱۹۲۱ء

۱۷ء۲۹۷ فتح محمد جالندھری
ف۵ت تعلیم القرآن، ص:۱۳۹، حسنات اکیڈمی ملتان روڈ لاہور ۱۹۸۹ء

۱۷ء۲۹۷ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ
ا۱۲۳ت تفسیر آیت کریمہ، ص:۲۲۳، جمعیت اہل حدیث سندھ کراچی ۲۰۰۱ء

۱۷ء۲۹۷ شمس پیرزادہ
ش۶۷د دعوۃ القرآن فاتحہ و بقرہ، ص:۱۶۹، ادارہ دعوۃ القرآن محمد علی روڈ بمبئی ۱۹۸۳ء

۱۷ء۲۹۷ شمس پیرزادہ
ش۶۷د دعوۃ القرآن آلِ عمران ونساء، ص:۳۴۵، ادارہ دعوۃ القرآن محمد علی روڈ بمبئی ۱۹۸۳ء

۲۹۷ء۱۷ شمس پیرزادہ

ش۶۷د دعوۃ القرآن مائدہ، انعام، اعراف، ادارہ دعوۃ القرآن محمد علی روڈ بمبئی ۱۹۸۴ء

۲۹۷ء۱۷ شمس پیرزادہ

ش۶۷د دعوۃ القرآن انفال تا یوسف، ص:۸۲۹، ادارہ دعوۃ القرآن محمد علی روڈ بمبئی ۱۹۸۶ء

۲۹۷ء۱۷ شمس پیرزادہ

ش۶۷د دعوۃ القرآن رعد تا کہف، ص:۱۰۲۷، ادارہ دعوۃ القرآن محمد علی روڈ بمبئی ۱۹۸۷ء

۲۹۷ء۱۷ محمد ابراہیم میر

م۹۰۷ت تعبیر الرحمٰن فی تفسیر القرآن، ص:۲۲۸، منیجر مسلمان کمپنی سوہدرہ گوجرانوالہ ۱۹۵۲ء

۲۹۷ء۱۷ مولانا عبدالقدوس

ع۴۱ت تفسیر عزیزی، ص:۵۴۸، مجتبائی پریس لاہور ۱۸۷۸ء

۲۹۷ء۱۷ جاوید انور صدیقی

ج۲۱ق ترجمہ قرآن پارہ اوّل، ص:۵۲، آسان قرآن تحریک لاہور۔ س،ن

۲۹۷ء۱۷ حافظ عبدالوہاب روپڑی

ع۵۷ت توضیح الفرقان (سورہ مائدہ)، ص:۳۲۰، محدث روپڑی اکیڈمی جامع قدس لاہور ۲۰۰۷ء

۲۹۷ء۱۷ عبدالحق

ع۵ت ترجمان القرآن (انعام، اعراف)، ص:۱۶۰، المکتبہ العلمیہ لاہور۔ س،ن

۲۹۷ء۱۷ ڈپٹی نذیر احمد

ن۵ھ ہفت سورۃ مترجم، ص:۴۸، مکتبہ نذیریہ لاہور ۱۹۸۵ء، یٰس، فتح، الرحمٰن، واقعہ، ملک، مزمل، نبا

۲۹۷ء۱۷ حافظ نذر احمد

ن۵ق آسان ترجمہ قرآن پارہ الم، ص:۵۲، مسلم اکادمی محمد نگر لاہور ۱۹۸۷ء

۲۹۷ء۱۷ غلام احمد حریری

ح۳۴ت تفسیر سورہ البقرہ، ص:۳۹۶۔ س،ن

۲۹۷ء۱۷ آسان ترجمہ قرآنِ مجید پارہ ۲۱ تا ۳۰

ق۵ بہادر بیگ مکان نمبر T/719 گلی نمبر 23 راولپنڈی۔ س،ن

۲۹۷ء۱۷ محمد زاہد الحسینی

ح۵۶ت تذکرۃ المفسرین، ص:۲۳۲، دارالارشاد اٹک پاکستان ۱۹۸۱ء

۲۹۷ء۱۷ عبدالرشید عراقی

ع۷۷ب برصغیر میں علمائے اہل حدیث کی تفسیر خدمات جامعہ ابراہیمیہ سیالکوٹ ۱۹۸۸ء

۲۹۷ء۱۷ حفیظ الرحمٰن سیوہاروی

ح۵۸۵ق قصص القرآن تین حصے، ص:۴۱۱، ندوۃ المصنفین اردو بازار دہلی ۱۹۵۲ء

مولانا حافظ محمد قاسم جوارِ رحمت میں

مولانا حافظ محمد قاسم صاحب نہراں والا (اوکاڑا) ۹۔ جون بروز پیر بعد نماز فجر وفات پا گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

موصوف اپنے علاقے نہراں والا ضلع اوکاڑا کی جانی پہچانی دینی شخصیت تھے۔ انھوں نے ابتدائی تعلیم اوڈاں والا مدرسہ تقویۃ الاسلام میں حاصل کی۔ صوفی محمد عبداللہ مرحوم کے قریبی ساتھیوں میں سے تھے۔ عرصہ چالیس برس اپنے علاقے کی مسجد اہل حدیث میں خطابت کے فرائض انجام دیے۔ ذکر اللہ کے شاغل اور نام ونمود سے کوسوں دور تھے۔

ان کی نماز جنازہ مولانا محمد عبداللہ امجد چھتوی نے پڑھائی۔ جنازے میں کثیر احباب شریک ہوئے۔ علمائے کرام کی کثرت تھی۔ مرحوم کے پسماندگان میں چھ بیٹے اور تین بیٹیاں اور بیوہ شامل ہے۔

احباب جماعت مرحوم کی مغفرت کے لیے دعا فرمائیں۔

[محمد یحییٰ خلیق مرکز فہم القرآن، موڑ کھنڈا ننکانہ]

قرآن فہمی اور دینی خدمت

میاں محمد افضل

ظاہر ہے قرآن سب کے لیے ہے جو جس طرح چاہے استنباط کرے، ہر گروہ کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ حق پر ہے، اسی نے قرآن کو صحیح سمجھا ہے، دوسرے کافر ہیں یا جاہل ہیں، ہر گروہ دوسرے کے عقیدے اور نظریے کی اصلاح پر کمر بستہ ہے، اپنے تئیں اپنے خود ساختہ نظریات کی فتح کے شادیانے بجانے کا شوق پورا کر رہا ہے۔

قرآن وحدیث کی فہم کے ان گروہی جھگڑوں کی بعض لوگوں نے اس کی توجیہہ یہ پیش کی ہے کہ ان اختلافات اور تنازعات کی کشمکش بالآخر دین کے فروغ اور ترویج پر منتج ہوتی ہے۔ کیوں کہ جس دین میں زندگی ہوگی اور وہ اس کے ماننے والوں کے لیے اہمیت رکھتا ہوگا، وہیں ایسے مسائل بھی ہوں گے جو دین عملی سطح پر اپنی زندگی پوری کر چکا ہوگا اور اس کے پیروکاروں کی وابستگی اس سے کم سے کم ہوگی تو وہاں ایسی شدت اور تناؤ بھی نہ ہوگا۔

علاوہ ازیں جدید خیال پسندوں کی ترجیح عقلی، منطقی اور سائنسی نکتہ نظر ہے جو دراصل جدید نہیں بلکہ تاریخ اسلامی کے لحاظ سے یہ گروہ بھی قدیم ہے اور خارجیت پر مبنی ہے۔ بہر حال متعدد نکتہ ہائے نظر کے ساتھ تمام دینی جماعتوں کا وجود ایک حقیقت ہے اور یہ حقیقت شاید اس لیے معرض وجود میں آئی ہے کہ انسانی رجحانات، میلانات، طبائع اور نفسیاتی رویے یکساں نہیں ہوتے۔ ہر کسی کے ذہن وشعور اور فہم وفراست کی سطحیں بھی مختلف ہوتی ہیں۔ ماسوائے شر پسندوں اور بدنیتوں کے، تمام مکاتب فکر کی جماعتوں نے ایک قرآن اور ایک رسول ﷺ کی حیاتِ طیبہ سے استنباط کیا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ کتنے نکتہ ہائے نظر خارجی رخ کے رویے سے اخذ ہوئے ہیں اور کتنے داخلی رویے سے، جہاں تک داخلی رویے کے تحت قائم ہونے والے نکتہ ہائے نظر کا تعلق ہے تو یہاں فہم وفراست اور رجحانات وطبائع مختلف ہونے کے باوجود ایک جیسی حقیقت کی جھلک نظر آنی چاہیے۔ کیوں کہ داخلی یا باطنی رخ کے تحت ایک قرآن اور ایک رسول ﷺ کی معنوی اور عارفانہ حقیقت ایک ہی ہے، داخلی کسوٹی اور باطنی معیار مطلقاً یکساں ہے۔ ظاہری یا خارجی رخ پر رنگا رنگی، تنوع اور ہمہ جہتی نظر آنا دین اسلام کی آفاقیت کا حصہ ہے۔ مگر کتاب دین کی باطنی سچائی اور معنوی حقیقت ہر قسم کے اختلاف سے مبرا ہے جیسا کہ سورۃ النساء کی آیت ۸۲ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

’’بھلا یہ قرآن میں غور کیوں نہیں کرتے، اگر یہ خدا کے سوا کسی اور کا (کلام) ہوتا تو اس میں (بہت سا) اختلاف پاتے۔‘‘

دوسری جانب اہل ایمان کے باطن کی حقیقت بھی ایک جیسی ہی ہوتی ہے۔ کیوں کہ اللہ کی پھونکی ہوئی روح میں کوئی فرق نہیں۔ ان سب کو بقدر شخصی ظرف کم یا زیادہ ایک جیسی حقیقت کی جھلک نظر آتی ہے۔ بشرطیکہ ترک رذائل کے ذریعے کثافتوں کو مٹایا اور لطافتوں کو بڑھایا جائے اور حقوق اللہ اور حقوق العباد کی بجاآوری سے روح تک رسائی کی راہ بنائی جائے۔ ایمان وایقان کی سرزمین پر جب ذکر کثیر کی آبیاری کی جاتی ہے تو حق کا شجر تناور ہو جاتا ہے اور پھل پھول دینے لگتا ہے۔ اس درخت کے سائے اور پھل پھول سے دوسرے بھی فیض یاب ہوتے ہیں، اللہ کے ذکر سے ہی دلوں کو اطمینان حاصل ہوتا ہے۔ قلب وروح کا یہ اطمینان سچ اور حق کی گواہی ہے۔ روح جو دکھائے، قلب جس کی تصدیق کرے وہی عقیدہ اور نظریہ درست ہے۔ ادب، باطنی خلوص اور والہانہ محبت کے بغیر قرآن کی معرفت حاصل نہیں ہوتی اور معرفت کے بغیر حقیقی معانی نصیب نہیں ہوتے۔ یہ سب اگر ہرزہ سرائی اور سلوک کی خیال آرائی لگے تو آزما لیجیے۔ بس اپنے نظری زعم اور شخصی انا کے بت توڑیئے، خود نہ ہو سکے تو کسی اللہ والے کی توجہ کا فیض حاصل کیجیے، آپ کو حق کی یہ گواہی آپ کے اپنے باطن سے مل جائے گی۔

پھر قرآن کی تلاوت وجد آفریں ہوگی اور معنی عقل سے گزر کر قلب وروح میں نور ہی نور بن کر اتر جائیں گے۔ سب کچھ صاف شفاف نظر آنے لگے گا، حسیات میں جینے کا تھوڑا بہت لطف اس دنیا میں بھی محسوس ہونے لگے گا اور زندگی کو توازن اور تحفظ میسر آجائے گا۔ قرآن جب فطرت پر غور کرنے کی دعوت دیتا ہے تو وہ اللہ کی نشانیاں دیکھنے اور اس سے رابطہ استوار کرنے کی تلقین بھی کرتا ہے اور خارجی اعتبار سے انسان کا فطرت سے تجرباتی وتجزیاتی رویہ بھی اجاگر کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرونِ وسطیٰ کے مسلمانوں میں حقائق فطرت کے لیے احساس تقدس پیدا ہوا اور وہ جدید سائنس کے بانی ٹھہرے۔ بلاشبہ کائنات سنجیدہ مقصد کے لیے تخلیق کی گئی ہے، اس کے تغیر وتبدل پر غور کرنے سے ہماری بصیرت بڑھتی ہے اور ہمارے اندر لامکان کا مشاہدہ کرنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔ لیکن محض مشاہدہ کائنات سے ہی شخصیت کی تکمیل نہیں ہوتی۔ کائنات کی نشانیوں اور علامتوں سے حقیقت تک پہنچنا ایک استخراجی طریقہ ہے۔ لیکن تکمیل انسانیت کے لیے قلب اور اس کی جلا بھی اشد ضروری ہے۔ قلب کی جلا ایک داخلی وجدان ہے جو بقول مولانا روم سورج کی شعاعوں سے غذا حاصل کرتا ہے۔ ہمیں حقیقت کے ان پہلوؤں سے آشنا کرتا ہے جو حسی ادراک کے دائرے میں نہیں آتے۔ اگر صحیح طور پر سمجھا جائے تو حیات وکائنات پر فکر وتدبر اپنی افضل تر سطح پر ایک طرح کا مذہبی تجربہ ہے۔ کیوں کہ یہ زندگی اور کائنات کے حقائق ومعارف آشکار کرتا ہے، انسان کو اپنی حقیقت اور منزل کا ادراک فراہم کرتا ہے اور یوں انسان فریب نظر اور فریب فہم سے بالا ہو کر اللہ تعالیٰ کی صفات کا عین الیقین کی سطح پر مشاہدہ کرتا ہے۔ اس مقام پر کوئی تجزیاتی ومنطقی کشمکش نہیں ہوتی، یہاں بندے کا وجدان خالق کی انوار ولمعات سے متصل ہو کر وجد میں آجاتا ہے اور وہ اللہ کی قربت اور محبت سے سرشار ہو جاتا ہے۔